ڈاکٹر ذوالفقار علی دانش

سندھ کی خانقاہوں میں قران فہمی کے اسالیب
(تحقیقی وتنقیدی جائزہ)

اسلامی تعلیمات کا اوّلین ماخذ قرآن پاک ہے۔جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔قرآن پاک کی تفہیم کے لیے اس کے مختلف زبانوں میں تراجم کیے گئے اوران کی تفسیریں بھی تحریر کی گئیں۔تراجم اور تفاسیر کا ایک بڑا ذخیرہ اردو زبان میں محفوظ ہے۔سندھ کی خانقاہوں سے وابستہ افراد نے بھی اس علمی ورثے میں اپنا حصّہ شامل کیا ہے۔زیرِ بحث مقالے میں سندھ کے مشائخ کی اردو میں قرآنی تفاسیر اور قرآن فہمی پر مبنی کتب کے محرکات، اسلوب، پیش کش اور موضوعات کا تاثراتی تنقید کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔یہ تجزیہ تاریخی ترتیب کے مطابق ہے۔

تفسیر سہ حرفی مادہ ''ف س ر'' سے مشتق ہے، جس کے معنی تشریح کرنا، کھول کر بیان کرنا اور توضیح کرنے کے ہیں۔مصباح اللغات میں اس کے معنی واضح کرنا، ظاہر کرنا اور ڈھکے ہوئے کو کھول دینا بیان کیے ہیں۔[1] اس باب کے بارے میں امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

> ''اَلْفَسْرُ (ض ن) کے معنی کسی چیز کی معنوی صفت کو ظاہر کرنے کے ہیں۔اسی سے تفیرۃ ہے۔جس کے معنی قارورہ کی تشخیص کے ہیں اور (مجازاً) قارورۃ (پیشاب کی بوتل) کو تفسرۃ کہہ دیتے ہیں۔ التفسیر بھی اَلْفَسْرُ کے ہم معنی ہے مگر اس میں مبالغہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔اور (عرف میں) تفسیر کا لفظ کبھی تو مفرد اور غریب الفاظ کی تشریح اور وضاحت پر بولا جاتا ہے اور کبھی خاص کر تاویل الرویا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ تاویل الرویا (خواب کی تعبیر) کی بجائے تفسیر الرویا کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے اور آیت کریمہ وَاَحْسَنَ تفسیرًا (۲۵۔۳۳) اور خوب مشرح۔میں بھی تفسر بمعنی تاویل استعمال ہوا ہے۔''[2]

اردو میں عموماً تفسیر سے مراد قرآن پاک کی تشریح وتوضیح لی جاتی ہے، جس میں لفظ کے معنوں میں قطعیت و یقین کا پہلو ہوتا ہے، اگر دلیل کے ساتھ ہے تو ٹھیک بصورت دیگر قیاس پر مبنی ہو تو تفسیر بالرائے ہے، جو ممنوع ہے جب کہ تاویل میں، ایک لفظ میں مختلف معنوں کا احتمال پایا جاتا ہے اور اس میں ایک لفظ کو دلیل کی بنا پر ترجیح دی جاتی ہے۔

صاحبِ ''السان العرب'' لکھتے ہیں:

''فسر کے معنی ہیں اظہار و بیان۔ اِس کا فعل باب ضَرَبَ ونَصَرَ دونوں سے آتا ہے۔ تفسیر کا مفہوم بھی یہی ہے۔ فَسَرَ بے حجاب کرنے کو کہتے ہیں تفسیر کرتے وقت بھی مشکل لفظ کے معنی و مفہوم کو گویا بے حجاب کر دیا جاتا ہے۔[۴]

تفسیر میں صرف مشکل الفاظ ہی کو بے حجاب نہیں کیا جاتا، بلکہ عام مفہوم پر غور و فکر کر کے اُس کی معنوی تہہ تک رسائی کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔ مشہور مفسر اور نحوی ابوحیان نے ''البحر الحیط'' میں تحریر فرمایا ہے کہ

''سواری کا پالان اُتار کر اُس کی پیٹھ ننگی کرنے کو بھی تفسیر کہتے ہیں۔ تعلب نحوی کا یہی قول ہے، ظاہر ہے ننگا کرنے میں کشف و اظہار کا مفہوم پایا جاتا ہے، اِس لیے کہ زین اُتارنے سے پیٹھ کھل کر سامنے آجاتی ہے۔''[۵]

مذکورہ لغوی بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ تفسیر عقلی اور مادّی اشیا کے کشف اظہار کا نام ہے، اگرچہ ابتدا میں یہ مختلف علمی مسائل کی شرح اور تفصیلات کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ موجودہ عہد میں دینی علوم کے ارتقا اور ان کی موضوعاتی تقسیم کے پیش نظر؛ لفظ تفسیر قرآن کریم کی وضاحت اور تشریحات کے لیے ایک جامع اصطلاح کی حیثیت مستقلاً اختیار کر گیا ہے۔

اصطلاحی مفہوم کے حوالے سے تفسیر کے بارے میں دو نقطۂ ہائے نظر ہیں: ایک تو یہ کہ اس کی اصطلاحی تعریف ممکن نہیں ہے، اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ تفسیر لگے بندھے اصولوں کا نام نہیں ہے، اور نہ ہی عقلی علوم اور تفسیر کے مابین کوئی مماثلت ہے، اس لیے علمِ تفسیر کے لیے اصطلاح کی ضرورت نہیں، جب کہ دوسرا نقطۂ نظر اوّل کے برخلاف ہے۔ سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ تفسیر کا تعلق قواعد سے بھی ہے، اِس میں دیگر علوم مثلاً لغت و قرأت اور صرف و نحو کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اِس لیے تفسیر کی اصطلاحی تعریف کی ضرورت ہوتی ہے۔[۶]

ثانی الذکر نقطۂ نظر، بہ نسبت اوّل زیادہ مدلّل ہے، کیوں کہ تفسیر کے لیے حدیث کا وسیع ذخیرہ معاون ثابت ہوتا ہے۔ علم حدیث خود اپنی جگہ ایک وسیع علم کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے علاوہ موجودہ عہد میں بہت سے نئے علوم متعارف ہوئے ہیں، جن سے آگہی تفسیر کے لیے بہت ضروری ہے، اس لیے اصطلاحی تعریف کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح دورانِ تفسیر بہت سے نئے مثبت مفاہیم بھی ذہن پر افشا ہوتے ہیں، جو کسی اصول اور قواعد کے محتاج نہیں ہوتے، لہٰذا تفسیر کی حتمی تعریف متعین نہیں کی جا سکتی۔ ذیل میں تفسیر کی اصطلاحی تعریف پیش کی جا رہی ہیں۔ الاتقان، جلد ۴، ص ۴۷ میں ہے:

''تفسیر ایسا علم ہے جس کی رو سے نبی کریم ﷺ پر نازل شدہ قرآن کے معانی سمجھے جاتے ہیں اور اس کے احکام و مسائل اور اسرار و حکم سے بحث کی جاتی ہے۔''[۷]

علامہ زرکشی کے مطابق:

''تفسیر وہ علم ہے، جس کے ذریعے اللہ کی کتاب کے جو خاتم الانبیا حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی، مطالب، اس کے احکام اور اس کی حکمت سمجھی جاسکتی ہے، یہ علم لغت وادب اور فقہ واصول فقہ کے علاوہ قرأت کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔''۸

منہج القرآن، جلد۲، ص۶ پر تفسیر کی مختصر اور جامع تعریف یوں کی گئی ہے۔

''تفسیر ایک ایسا علم، جس میں بشری استطاعت کی حد تک اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ الفاظِ قرآنی سے خداوند تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟''۹

مذکورہ بالا تعریفات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ تفسیرِ قرآن وہ علم ہے، جس میں دیگر علوم کی مدد سے مرادالٰہی کے حصول کی سعی کی جاتی ہے۔ تفسیر کے لیے لغت، صرف ونحو، قرأت، حدیث، اسبابِ نزول، ادب تاریخ، منطق، کے ساتھ علومِ عقلی یعنی سائنسی علوم سے آگہی ضروری ہے۔ قرآن اور سائنس کے حوالے سے کئی کتب منظرِ عام پر آچکی ہیں، ان میں مورس بکائی کی ''قرآن، بائبل اور سائنس'' اور ذاکر نائیک کی قرآن اور سائنس اہم ہیں۔ جب کہ صوفیائے کرام نے قرآنی تفسیر کے ذریعے انسانوں میں محبت اور یک جہتی پیدا کرنے کی کاوشیں کی ہیں۔ قرآن کے اُن پہلوؤں کو صوفیائے کرام نے بنیاد بنایا ہے۔ بقول پروفیسر محمد حبیب:

''صوفیہ اپنے معتقدات کی بنیاد صرف قرآن کو ٹھیراتے ہیں۔ قرآن کی تصوفانہ تفسیر ہمیں اس قدر بالغ نظر ضرور کرسکتی ہے کہ ہم وضعیت اور سخن سازیان گتھیوں سے بلند ہوسکیں جن میں ملاؤں کے ایک طبقے نے اس کو الجھا رکھا ہے۔ قرآن شریف کی جو تشریح تصوف پیش کرتا ہے وہ عقلیت پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی نقطۂ نگاہ لیے ہوئے ہے۔ اس میں ایک وسعت ہے، اس کا رخ کائنات کی طرف ہے، اس کا لہجہ آفاقی ہے شاید قرآن کی صحیح ترین تفسیر یہی ہے۔''۱۰

مشائخ کی قرآنی تفاسیر سے ایک پہلو تو یہ واضح ہوجاتا ہے کہ صوفیہ قرآن وحدیث کی تعلیمات سے بخوبی آگاہ رہے۔ انھوں نے قرآن کی آفاقیت کو مدلّل انداز میں عوام وخواص پر روشن کیا۔ قرآن فہمی کے حوالے سے سندھ کو یہ اعزاز حاصل ہے، بقولِ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ ''برصغیر میں غالباً سب سے پہلا فارسی ترجمہ مخدوم نوح ہالائی سندھی کا ہے۔''۱۱ قیامِ پاکستان کے بعد سندھ میں پہلی اردو تفسیر شبیر احمد عثمانیؒ ☆(۱) کی ہے جو شیخ الہند محمود حسنؒ سے بیعت تھے، آپ کی لکھی ہوئی تفسیر ''تفسیرِ عثمانی'' ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء میں مکمل ہوئی تھی۔۱۲ اس کا پس منظر اور بنیادی محرک تو قرآن سے محبت اور اس کی تعلیمات کو عوام وخواص تک پہنچانا تھا۔ اس بارے میں ولی محمد رازی کا خیال ہے کہ تفسیرِ عثمانی کی قبولیت کی وجوہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی تکمیل میں تین اکابرین شاہ عبدالقادر دہلویؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور شبیر احمد عثمانیؒ کا فیض ہے جو علم وفضل

اور اخلاص کے ساتھ قرآن کی خدمت کا جذبہ بھی رکھتے تھے۔[۱۳]

''تفسیرِ عثمانی'' کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے ''موضح القرآن'' کے نام سے قرآن کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ اردو کے ابتدائی ترجموں میں سے ہے، اسے کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور اسے ''الہامی ترجمہ'' بھی کہا گیا۔[۱۴] جب زبان، روزمرّہ اور محاورے تبدیل اور الفاظ متروک ہونے لگے تو لوگوں کو اس ترجمے سے استفادے میں دشواریاں محسوس ہوئیں۔ کچھ اہلِ علم نے شیخ الہند سے ترجمے کی درخواست کی۔ وہ شیخ عبدالقادرؒ کے ترجمے کی خوبیوں کے سبب اُسے متروک ہونے سے بچانے اور رائج دیکھنے کے خواہش مند تھے، اس لیے انھوں نے ان دشواریوں کو دور کرنے کا ارادہ کیا۔ شیخ عبدالقادر دہلویؒ کے قرآنی ترجمے کے ساتھ تفسیری حواشی بھی تھے، انھیں بھی دوبارہ اپنی زبان میں تحریر کرنا شروع کیا، مگر یہ کام محمود الحسنؒ کی حیات میں سورۂ آلِ عمران تک ہو سکا۔ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے استاد کے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اُٹھایا اور ''تفسیرِ عثمانی'' ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء میں تکمیل کی۔ تفسیرِ عثمانی کی اہم خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) مختصر اور جامع ہے۔ (۲) آیتوں کی تفسیر میں باہمی ربط ہے۔ تفسیر اس انداز سے کی گئی ہے کہ قاری کو ربط کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ (۳) عصرِ حاضر کے اِشکالات کا عقلی دلائل سے شافی جواب دیا گیا ہے۔ (۴) جہاں کسی آیت یا آیتوں کی تفاسیر میں تفاوت ہُوا، وہاں راجح کو ترجیحی دی گئی ہے۔

پیشِ نظر نسخے میں کچھ مفید اضافے کیے گئے ہیں، اس سے قبل والے نسخے میں تفسیر قدیم طرزِ پر حاشیے میں طبع ہوتی رہی، یعنی ترجمے میں جس بات کی وضاحت ضروری ہوتی، اس پر ''ف'' تحریر کر کے اس پر نمبر درج کر دیا جاتا، پھر حاشیے میں ''ف'' اور اس کا نمبر لکھ کر تفسیر دے دی جاتی، جب کہ اس نسخے میں تفسیری فوائد باقاعدہ متن کے طور پر شائع کیے ہیں، اس کے علاوہ ان میں عنوانات دے کر اِس تفسیر کی افادیت میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اس نئے انداز کی ضرورت کے سبب والی محمد رازی تحریر فرماتے ہیں کہ قدیم طرز کے حاشیوں سے عام قاری کو دشواری محسوس ہوتی تھی، خود مجھے معارف القرآن سے استفادہ آسان معلوم ہوتا تھا۔ اس سے تفسیرِ عثمانی کی افادیت متاثر ہونے لگی، لہٰذا جدید تقاضوں کے مطابق کتابت و طباعت کرائی گئی اور تفسیری فوائد حواشی کی بجائے متن کے طور پر شائع کیے۔[۱۵]

اندازِ تحریر سادہ اور عام فہم ہے، زبان روزمرّہ کے مطابق ہے۔ بقول ولی محمد رازی: ''زبان کی سہولت اور جدید محاورات کی مطابقت کا اتنا غیر معمولی اہتمام فرمایا کہ ساٹھ سال گزر جانے پر بھی اس تفسیر کی زبان آج کی زبان معلوم ہوتی ہے۔''[۱۶] روزمرّہ اور محاورات کا مناسب استعمال کیا گیا ہے۔ عربی اور فارسی الفاظ اور تراکیب سے عبارت کو بوجھل کیا ہے اور نہ ہی ہندی اور سنسکرت کے الفاظ سے زبان کو غیر مانوس ہونے

دیا۔ بلکہ علمی وادبی زبان کو پیشِ نظر رکھا ہے جو سادگی کے باوجود دل کش ہے۔ سورہ کہف ۱۸؛ آیت ۸ کی تفسیر ملاحظہ کیجیے:

''۸۔ قیامت میں زمین چٹیل ہوجائے گی: یعنی ایک روز سب گھاس پھونس درخت وغیرہ چھانٹ کر زمین کو چٹیل میدان بنادیا جائے گا۔ جو لوگ اس کے بناؤ سنگھار پر ریجھ رہے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ زرق برق کوئی باقی رہنے والی چیز نہیں۔ دنیا کے زمینی سامان خواہ کتنے ہی جمع کرلو اور مادی ترقیات سے ساری زمین کو لالہ وگل زار بنادو، جب تک آسمانی ہدایت اور روحانی دولت سے تہی دست رہو گے، حقیقی سرور طمانیت اور ابدی نجات وفلاح سے ہم آغوش نہیں ہوسکتے۔ آخری اور دائمی کامیابی صرف ان ہی کے لیے ہے جو مولائے حقیقی کی خوش نودی پر دنیا کی ہر ایک زائل وفانی خوشی کو قربان کرسکتے ہیں۔''[۱۸]

اِس تفسیر کی اشاعت ۱۹۸۹ء میں ہوئی۔

تفسیر عثمانی کے بعد مفتی محمد شفیعؒ ☆(۲) کی قرآن کی مکمل تفسیر ''معارف القرآن'' قیام پاکستان کے بعد ایک جامع اور مفصل تفسیر ہے۔ یہ تفسیر شعبان ۱۳۹۲ھ/اکتوبر ۱۹۷۲ء کو تکمیل کو پہنچی اور اس کی پہلی اشاعت اسی سال ہوئی۔ جب کہ دوسرے ایڈیشن کے لیے مفتی محمد تقی عثمانی فرزند مفتی محمد شفیع عثمانیؒ نے ۲۳ ربیع الاوّل ۱۳۹۴ھ/اپریل ۱۹۷۴ء کو پیش لفظ لکھا تھا جو طبع جدید اگست ۱۹۸۵ء کے ایڈیشن میں بھی شامل ہے۔ یہ تفسیر آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ جہازی سائز میں ہے۔ پہلی جلد ۶۹۸، دوسری جلد ۶۲۸، تیسری ۶۲۸، چوتھی ۶۸۰، پانچویں ۶۶۶، چھٹی ۶۸۷، ساتویں ۸۱۶ جب کہ آٹھویں اور آخری جلد ۸۵۹ صفحات پر مشتمل ہے، اس کے کل صفحات کی تعداد ۵۷۴۳ ہوتی ہے۔ یہ تفسیر کئی حوالوں سے اہم ہے۔ خانقہی تربیت کے تحت مفسّر نے اس میں تفسیر پڑھنے والوں کے لیے کئی آسانیاں فراہم کی گئی ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اس تفسیر میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ترجمے کو شامل کیا ہے جو ''ترجمۂ شیخ الہند'' کے نام سے مشہور ہے،[۱۸] اِس کے علاوہ کسی بھی سورت کی تفسیر سے قبل اس کے بارے میں اہم معلومات مثلاً اس کی فضیلت وخصوصیات، تعدادِ آیات، سببِ نزول اور مسائل پیش کرنے کے بعد ایک سرخی ''احکام ومسائل'' کی دی گئی ہے، جس میں اس کے استفہام اور احکام بیان کیے گئے ہیں، بعد ازاں پوری سورت مع ترجمے کے دی گئی ہے۔ پھر خلاصۂ تفسیر تحریر کیا گیا ہے، جس کے بارے میں مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' کی تسہیل کردہ صورت ہے۔ اس میں مفسر نے اس قدر تصرّف کیا ہے کہ جس جگہ اصطلاحی اور مشکل الفاظ آئے تھے، اُن کو آسان لفظوں میں منتقل کردیا ہے۔ اسے خلاصۂ تفسیر'' کا نام دینے کی وجہ بھی یہ

بیان کی ہے کہ خود مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اسے ''تفسیرِ مختصر'' اور ''ترجمہ مطوّل'' کا نام دیا تھا۔[19] اس کے بعد ''معارف و مسائل'' کا عنوان دیا گیا ہے، جس میں الفاظ کے معنی کے ساتھ آیات کی تفسیر احادیث اور اسلاف کی روشنی میں عام فہم انداز میں کی گئی ہے، جو مضامین مختلف تفاسیر سے لیے گئے ہیں۔ اُن کا تعلق ان موضوعات سے ہے، جن سے اللہ تعالیٰ، اس کے محبوب ﷺ اور قرآن کی عظمت و محبت میں اضافہ ہوتا ہو۔ بڑی سورتوں کی تفسیر میں کہیں ایک ایک آیت کی اور کہیں دو یا اس زائد آیتوں کی تفسیر ساتھ کی گئی۔ مثلاً سورہ بقرہ کی آیت ۸۶، ۲۰۱، سورہ لقمان کی آیت ۱۰ اور ۱۱ یعنی دو آیات[21]، سورۃ رحمٰن کی ۴۶ تا ۷۸ یعنی ۳۲ آیات[22]، جب کہ سورہ واقعہ میں ۱ تا ۵۶، ۲۳ کی تفسیر کی گئی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس معاملے میں کوئی تخصیص نہیں رکھی گئی۔

''معارف القرآن'' کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں شرعی مسائل کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ دوسرا اہم پہلو اس تفسیر کا یہ ہے کہ اس میں انسانی، مذہبی، سماجی اور معاشرتی معاملات کو بھی پیش کیا گیا ہے، جیسے فرقہ واریت کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا کہ کچھ لوگوں نے صرف قرآن کو لیا، رجال اللہ کو حیثیت نہیں دی، اسی طرح کچھ نے رجال اللہ کو لے لیا مگر قرآن سے اعراض کیا۔[24] اس طرح مغربی جمہوریت اور اسلامی شورائیت کا فرق بھی اس تفسیر میں ملتا ہے۔[25] یہی نہیں کچھ انسانی نفسیاتی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ماحول اور سماجی اثرات کے نتیجے میں انسان کے اندر دولت اور رتبہ کی خواہش اور محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں بہت سے سماجی مسائل ہی جنم نہیں لیتے بلکہ اقوام کے درمیان جنگیں بھی ہو جاتی ہیں۔ ان کے نتائج کا مفصل ذکر کر کے، اس کا علاج بھی بیان کیا ہے۔[26]

''معارف القرآن'' کو بین الاقوامی وقار حاصل ہوا۔ اس کا انگلش اور بنگالی زبان میں ترجمہ ہوا۔ س تفسیر میں جو مسائل پیش کیے گئے، ان کو علاحدہ کتابی صورت میں بھی ترتیب دیا گیا۔ یہ کام صوفی محمد اقبال قریشی نے انجام دیا۔ اس کے علاوہ تفسیر کا حروف تہجی کے اعتبار سے اشاریہ بھی مولانا مشتاق احمد نے بنایا ہے۔ جس سے استفادے میں خصوصی سہولت ہو گئی ہے۔ یہی خانقاہی نظام کی خاصیت ہے کہ حتی الامکان حد تک لوگوں کو فائدہ پہنچایا جائے۔

اس تفسیر کے کئی محرکات ہیں؛ اس کی ابتدا ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء میں اُس وقت ہوئی جب آرام باغ کراچی سے متصل مسجد باب الاسلام میں روزانہ بعد نمازِ فجر درسِ قرآن کا آغاز ہُوا۔ تقریباً سات سال تک روزانہ ایک گھنٹہ یہ سلسلہ چلتا رہا اور مکمل ہُوا۔ اشاعت کے مراحل کچھ اس طرح ہوئے کہ تمہید ۱۳۸۳ھ میں تحریر کی گئی، پھر ۱۳۸۸ھ تک یہ کام تعطل کا شکار رہا۔ ۱۳۸۸ھ سے ۱۳۹۲ھ میں یہ کام مکمل ہُوا۔[27]

دوسرا محرک یہ ہُوا کہ ریڈیو پاکستان کی انتظامیہ نے روزانہ درسِ قرآن کی درخواست کی، جسے مفتی محمد شفیعؒ نے قبول نہ فرمایا۔ پھر یہ فرمائش کی گئی کہ ہفتے وار درس قرآن اس طرح دیا جائے کہ جس میں پورے قرآن کی تفسیر پیش نظر نہ ہو بلکہ عام مسلمانوں کی موجودہ ضرورت کے پیش نظر خاص آیات کا انتخاب کر کے احکام بیان کر دیے جائیں۔ اسے ''معارف القرآن'' کا نام دیا گیا۔ یہ درس ۲، جولائی ۱۹۵۴ء سے جون ۱۹۶۴ء گیارہ سال جاری رہا۔ یہ درس تیرہویں پارے سورہ ابراہیم پر ختم ہُوا۔ اس درس کی شہرت پاکستان کے ساتھ غیر ممالک تک ہوئی تھی۔ اِس بنا پر ان لوگوں نے ان دروس کی اشاعت پر زور دیا۔ یوں ''معارف القرآن'' کی اشاعت کے حوالے سے کام کا آغاز کیا گیا، جو کئی مرتبہ مختلف وجوہ سے تعطل کا شکار ہو کر ۲۱ شعبان ۱۳۹۲ھ بر ز سنیچر مکمل ہُوا۔ حسنِ اتفاق ۱۳۱۴ھ کی یہی تاریخ مفتی محمد شفیعؒ کی ولادت کی بھی تھی، یعنی آپؒ اس روز اٹھتر (۷۸) سال کے ہوئے۔ جب کہ تفسیر میں آپؒ کی عمر اس وقت ستتر (۷۷) سال لکھی گئی ہے۔[۲۸]

تیسرا اہم محرک یہ بھی ہُوا کہ مفتی محمد شفیعؒ کے دل و دماغ میں ایک خیال یہ بھی موجود تھا کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر، جس کے بارے میں مفسر کا یہ خیال تھا کہ ''یہ ایک بے نظیر، مختصر مگر جامع تفسیر اور سلفِ صالحین کی تفسیروں کا لبِ لباب ہے، لیکن وہ علمی زبان اور علمی اصطلاحات میں لکھی گئی ہے۔ آج کل کے عوام اس سے استفادہ کرنے سے قاصر ہو گئے ہیں۔ اس کے مضامین کو سہل زبان میں پیش کر دیا جائے۔''[۲۹] یوں ''معارف القرآن'' کے ذریعے مفسر کی یہ دلی خواہش بھی پوری ہو گئی۔

تفسیر کا اسلوب نہایت دل کش اور رواں ہے۔ زبان و بیان عام فہم ہے۔ اندازِ بیان میں جملوں کے درمیان باہمی ربط سے تحریر میں روانی پیدا ہو گئی ہے۔ بات کی وضاحت کے لیے مثالوں کے ساتھ اور فارسی اور اردو اشعار بھی پیش کیے ہیں۔ سورہ بقرہ میں '' لعلکم تتقون '' کی تفسیر میں اردو اور فارسی اشعار دیکھے جا سکتے ہیں۔[۳۰] تفسیر میں جہاں قرآنی عظمت کو ثابت کیا گیا ہے۔ وہاں غیر مسلم دانشوروں کے اقوال اور کتب کے حوالے بھی دیے ہیں۔ جیسا کہ جلد اوّل صفحہ ۱۶۲ پر گستاولی بان کی کتاب ''تمدن عرب'' اور ص ۱۶۳ پر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور ڈاکٹر گبن کی کتاب ''سلطنتِ روما کا انحطاط و زوال'' کے حوالے دیے گئے ہیں، گویا ایک تحقیقی اسلوب بھی اس تفسیر کی خصوصیت ہے۔ اسلوب کی مثال ملاحظہ کیجیے، جو سورہ یوسف کی ۶۶ ویں آیت کی تفسیر میں بیان کی ہے۔

> ''ہدایات و مسائل: مذکورہ آیات میں انسانوں کے لیے بہت سی ہدایات اور احکام ہیں۔ پہلی ہدایت: برادران یوسف علیہ السلام سے جو خطا اس سے پہلے سرزد ہوئی، وہ بہت سے کبیرہ اور شدید گناہوں پر مشتمل تھی۔ مثلاً اوّل جھوٹ بول کر والد کو اس پر آمادہ کرنا کہ وہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ تفریح پر بھیج دیں۔ دوسرے والد سے عہد کر کے اس کی خلاف ورزی، تیسرے چھوٹے

بھائی سے بے رحمی اور شدت کا برتاؤ، چوتھے ضعیف والد کی انتہائی دل آزاری کی پروانہ کرنا، پانچویں ایک بے گناہ انسان کے قتل کا منصوبہ بنانا، چھٹے ایک آزاد انسان کو جبراً اور ظلماً فروخت کر دینا''[۳۱]

تفسیر معارف القرآن کو ۱۹۸۵ء میں ادارۃ المعارف کراچی نے شائع کیا۔

قرآنی تفسیر کے حوالے سے سندھ کی خانقاہوں میں ایک اہم نام سید یوسف علی ''عزیز'' چشتی المعروف خواجہ عزیز الاولیاؒ ☆(۳) کا ہے۔ آپؒ سلسلہ چشتیہ میں خواجہ اللہ بخش تونسوی قدس سرہٗ، خانقاہ تونسہ شریف سے بیعت تھے۔[۳۲] آپؒ کی منتخب قرآنی سورتوں کی تفسیر ''مبشرات حق آیات'' ایک ایسی تفسیر ہے، جس میں علمی، مدلل اور منطقی انداز کو برتا گیا ہے۔ تفسیر کی ابتدا میں اولین معلم القرآن ﷺ کی سیرت وصفات کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بات ثابت کی گئی ہے، کہ آپ کی سیرت کو جانے بغیر قرآن فہمی کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ جس کی وضاحت میں انھوں نے اس حکایت کو بھی پیش کیا ہے کہ ''کوئی شخص اپنے کسی عزیز کا خط پڑھوانے ایک لکھے پڑھے انسان کے پاس لے گیا اُس نے کہا بھئی واہ! اس اندھیری رات میں روشنی کے بغیر کیسے پڑھوں، اس معقول بات نے انسان کو سبق دیا کہ ''پہلے روشنی پیچھے تحریر'' اور یہ بھی ثابت ہُوا کہ جیسے آنکھ بغیر روشنی کے تحریر دیکھنے سے معذور ہے۔ ایسے ہی عقل بھی بے عینک، ہدایت بے نور۔''[۳۳] اس کا عنوان ''پہلے روشنی پیچھے تحریر'' ہے۔ اسی طرح دیگر عنوانات کے تحت تفسیر میں قرآن واحادیث کی اہمیت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

اس تفسیر میں ۳۲ مکی سورتوں کا ترجمہ ''۳۲ بشارتیں'' کے ذیل میں کیا گیا ہے، جب کہ ۱۹ مدنی سورتوں کا ترجمہ ''ہدایتیں'' کے عنوان کے تحت ہے۔ مکی سورتوں کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ اقرا، قلم، مزمّل۔ مدثّر، ضحیٰ، الم نشرح، طٰہٰ، یٰس، شعرا، لہب، حاقہ، کوثر، کافرون، اخلاص، فاتحہ، اعلیٰ، غاشیہ، فیل، قریش، قدر، یوسف، حجر، عبس، کہف، انعام، اسریٰ، نجم، ص، حٰم السجدہ، زمر، قیامہ اور فاطر، ۱۹ مدنی سورتیں یہ ہیں۔ بقرۃ، آلِ عمران، انفال، محمد، نساء، مائدہ، احزاب، فتح، جمعہ، منافقون، صَفّ، بیّنہ، زلزال، حشر، براءت، فلق، ناس، نصر۔

قرآن کی تفسیر میں قرآن واحادیث کو بارہا پیش کیا گیا ہے مگر ان کے حوالے جامع نہیں ہیں۔ بیش تر سورتوں کی تفسیر کے بعد ان کی تلخیص بھی دے دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ فہرست میں بھی سورت کے اہم پہلو کو مختصراً بیان کیا ہے۔ ''مبشرات حق آیات'' میں عزیز الاولیاؒ نے سورتوں کی ترتیب کو قرآنی ترتیب کے مطابق نہیں برتا بلکہ ہر سورت کے بعد آنے والی سورت کے ساتھ موضوعاتی اور معنوی ربط وتعلق قائم کیا ہے۔

اس تفسیر میں صوفیانہ رنگ یعنی عشق کے رنگوں کی دھنک مختلف مقامات پر دکھائی دیتی ہے۔ بسم اللہ میں ''بسم'' کا املا ''باسم'' نہ کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''بسم (۱۰۲)، حبِ محمدؐ (۱۰۲) کا ہم عدد ہے۔ یہی ایمان (۱۰۲) ہے۔ اب پوری بسم اللہ شریف فی الحقیقۃ محبّ نامۂ محمدی ﷺ ہے۔

ہے ہم عدد حبِ محمد ایمان

گر حبِ محمد (۱۰۲) نہیں ایمان (۱۰۲) نہیں ۳۴

اسی طرح آپ نے سورۃ تکویر ۲۴ ویں آیت کا ترجمہ یہ کیا کہ ''یہ نبی تو غیب بتانے میں بھی دریغ نہیں فرماتے۔'' ۳۵ ورنہ عموماً اس آیت کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔ یہ نبی ﷺ تو غیب بتانے میں بھی بخل نہیں کرتا یا یہ کہ نبی ﷺ تو غیب ظاہر کرنے میں بخیل نہیں۔ عزیز الاولیاؒ کو نبی ﷺ کے ساتھ لفظ بخیل گوارا نہیں، چاہے یہ انکاری معنوں ہی میں کیوں نہ ہو۔

تفسیر کے محرکات میں ایک پہلو صوفیانہ ہے۔ مفسر عزیز الاولیاؒ عشق کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تفسیر لکھنا چاہتے تھے، جس کا سبب کچھ افراد کے وہ عقلی نظریات تھے جو قرآن کی تفہیم کے لیے احادیث کو غیر ضروری سمجھتے تھے، دوسرے وہ مکتبہ ہائے فکر تھے جو آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے بارے عشقیہ رویّے کے حامل نہیں تھے۔ مفسّر اور دیگر اکابرین کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے۔ قرآن کی تفہیم صرف عقلی پیمانوں سے نہیں ہوسکتی بلکہ اس کے لیے آپ ﷺ کے فرامین اور حیاتِ طیبہ حکم کا درجہ رکھتے ہیں۔ اِس پہلو کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''آج مسلمانوں میں ایسے عناصر پیدا ہوگئے ہیں، جنھیں توقیر محمدی ﷺ ہی میں کلام ہے۔ جس نورانی ہستی کو خدا نے غیر معمولی مان رکھا ہے، اُس اعلیٰ وارفع ذات حق آیات کو اپنی جیسی معمولی سطح پر گھسیٹ لانے کی سعیٔ بے جا کو ادبیت وخطابت سمجھا ہے۔ تفسیر کی طرح سیرت معجز نما سے معجزات کم کرنے پر زور دیا جارہا ہے۔'' ۳۶

آپؒ نے صفحہ ۱۳، ۱۴ پر ایک واقعہ بھی بیان کیا ہے، کہ آپ کے استاد عبدالرزاق خاں نقشبندی، اُن کے پاس تشریف لائے اور عبداللہ چکڑالوی کے تحریر کردہ تفسیری نقطۂ نظر پر مبنی صفحات پیش کیے، جن میں اللہ اکبر پر اعتراضات، رسول سے مراد قرآن وغیرہ بیان کیے گئے تھے۔ جس پر آپؒ نے اُن پہلوؤں کی مدلّل وضاحت قرآنی حوالوں سے دی۔ اس نوع کی طرزِ فکر بھی تفسیری محرکات میں شامل ہوسکتی ہے۔

تفسیر کا اسلوب عالمانہ ہے۔ زبان وبیان کی چاشنی تو ہے، مگر یہ انداز خانقاہی ادب کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ زبان وبیان سے اہلِ ادب اور اہلِ علم تو لطف اندوز ہوسکتے ہیں مگر عام اکثریت اس کے مطالب و مفہوم سے بے بہرہ رہے گی۔ خانقاہی ادب سے عوام وخواص دونوں استفادہ کرتے ہیں۔ عربی اور فارسی الفاظ کی کثرت ہے۔ جس سے عام آدمی کے لیے تفہیم آسان نہیں رہی۔ زیرِ بحث تفسیر میں جابجا قرآنی مفہوم کو پیش کیا گیا ہے لیکن اس کا تذکرہ اور حوالہ نہیں دیا گیا۔ اسلوب کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ جو سورۂ کوثر کی تفسیر سے اخذ کردہ ہے۔

''جلوۂ نور کو خدا نے شکلِ انسانی میں اس کمال قدرت کے ساتھ ڈھالا تھا کہ دنیا میں آمد و قیام و رفت کی صورت ہو بہو انسان جیسی تھی۔ عالمِ ناسوت میں مبعوث ہوئے پچیسواں سال تھا کہ جناب طاہرۃ النسائے عرب سلام اللہ علیہا سے خانہ آبادی ہوئی۔ شجرۂ کمال کو خدا نے پھل پھول بھی دیے۔ پیغمبروں زادوں کی معصومیت کی وفات تو صبر آزما تھی ہی ساتھ ہی کسی معاند نے کہہ دیا کہ اب تو ان کا کوئی نام لیوا رہا نہ پانی دیوا، یہ نسل ہی [نعوذ باللہ] منقطع ہوگئی۔ شاکر علیم نے بیٹے کے بدلے وہ بیٹی عطا فرمائی جو بقول ام المومنین، فاطمہؑ اپنے بابا جان سے بہت مشابہ تھیں ۶ برس کی عمر تھی کہ اس چادر پوش معصومہ سلام اللہ علیہا نے صحن کعبۃ اللہ میں پہنچ کر روسائے قریش کو ڈانٹا اور بابا جان کو اوجھڑی کے بوجھ سے سبک دوش کیا۔ اللہ تعالیٰ کی اس کنیز کا عقد شیرِ خدا مشکل کشا کے ساتھ ہُوا اور ان کی اولاد، خاتم النبین ﷺ کی اولاد کہلائی۔ ۳۷

اس تفسیر کی دوسری اشاعت، ''شعبۂ نشر و اشاعت دارالعلوم عزیزیہ سلیمانیہ'' کراچی کے تحت ذیقعد ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء میں ہوئی۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ ☆(۴) کی تفسیر ''مطالب القرآن'' کو اپنے اختصارِ بیان کے حوالے سے امتیاز حاصل ہے۔ ان کا نام سندھ کے خانقاہی نظام اور خانقاہی ادب کے حوالے سے ناقابلِ فراموش ہے۔ آپ نے خانقاہی نظام کے ارتقا میں اہم کردار ادا کیا ہے، اسی طرح خانقاہی ادب میں مختلف اصناف پر جدید تحقیقی انداز متعارف کرانے والوں میں آپ سرِ فہرست ہیں۔ یہ تفسیر ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں ریڈیو پاکستان پر ربیع الاوّل اور رمضان میں نشر ہوئی اور ''مطالب القرآن'' کے نام سے پہلی بار ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی، اس تفسیر کا سندھی ترجمہ حافظ محمد موسیٰ بھٹو کی زیرِ ادارت نکلنے والے رسالے ''بیداری'' میں قسط وار شائع ہوا ہے۔ ۳۸ اس کے بعد کئی ایڈیشن شائع ہوئے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

گرچہ یہ تفسیر مختصر ہے مگر اس میں معلومات کا ایک خزانہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ نے پیش کیا ہے۔ اس تفسیر میں ہر سورت کے بارے میں جو معلومات دی گئی ہیں، وہ کچھ اس طرح سے ہیں۔ سورت کا مکی یا مدنی ہونا، آیتوں اور رکوع کی تعداد، کچھ سورتوں میں کلموں اور حرفوں کی تعداد بھی بیان کی ہے۔ جیسا کہ سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ میں۔ اسی طرح سورت کے متعلق دیگر معلومات فراہم کر کے، اس کی آسان اردو زبان میں روزمرّہ اور محاورے کے مطابق مختصر تفسیر کی گئی ہے۔ سورہ فاتحہ کے بیس نام بیان کیے۔ پھر یہ بھی وضاحت فرمادی کہ یہ ۲۰ نام مختلف روایتوں میں آئے ہیں۔ ۳۹ تفسیر میں کسی سورت کے اہم نکات کی وضاحت کرنے کے ساتھ اس بات کو بھی مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ تکرار نہ ہو۔ بعض سورتیں طویل ہیں مگر ان تمام مضامین کو اس طرح اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قاری کو اصل مقصد اور مدعا کا ابلاغ ہو جاتا ہے۔

اس تفسیر کے محرک ڈاکٹر الیاس عشقی تھے جو ڈاکٹر غلام مصطفی خانؒ سے ریڈیو کے لیے تفسیر لکھوانا چاہتے تھے، اس خیال کے بارے میں انھوں نے مولانا عبدالستار صدیقی سے تبادلہ کیا، پھر یہ دونوں حضرات (مولانا عبدالستار صدیقی اور الیاس عشقی) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانؒ کے پاس گئے؛ آپ نے اس خیال کو پسند فرما کر اس کو عملی جامہ پہنایا، جہاں تک اس تفسیر کے اندازِ تحریر کا تعلق ہے، وہ مفسّر کی شخصیت کی طرح سادگی لیے ہوئے ہے۔ کہیں بناوٹ یا تصنع نظر نہیں آتا۔ اختصار اس کی اہم خصوصیت ہے۔ مختصر جملے ہیں۔ عموماً بات کو ایک یا دو جملے میں ادا کر کے دوسرے نکتے کا آغاز کیا گیا ہے۔ اسلوب کی مثال دیکھیے:

> ''دنیوی مال واسباب، دنیا کی زندگی کے لیے ہے اور آخرت میں کام دینے والی، وہ نیکیاں ہیں جو ایمان والوں پر بھروسا کرنے والوں کو حاصل ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بڑے گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں، جب غصہ آجائے تو معاف کر دیتے ہیں، وہ اللہ کا حکم مانتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ آپس میں مشورہ کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان پر جب کوئی ظلم کرے تو انصاف سے کام لیتے ہیں۔ معاف کرنے والے کا اجر اللہ کے یہاں ہے اور اگر کسی نے اپنی مظلومی پر بدلہ لیا تو کوئی مواخذہ نہیں۔''[۴۰]

اِسے ۲۰۱۱ء میں زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی نے جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد☆(۵) کی کتاب ''آخری پیغام'' اگرچہ قرآنی تفسیر سے تو تعلق نہیں رکھتی، مگر قرآن کی کئی آیتوں کی تفسیر اس میں کی گئی ہے۔ اس میں قرآن کے کئی پہلوؤں پر بحث شامل ہے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے اس کتاب کے اوّل ایڈیشن کے آغاز میں ''حرفِ اوّل'' تحریر کیا تھا، جس میں اس کتاب کی وجہ تصنیف بھی تحریر کی تھی، جس کا تذکرہ آپ کے فرزند ابوالسرور محمد مسرور احمد نے دوسرے ایڈیشن میں ''حرفِ اوّل'' کے عنوان کے تحت کیا ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں ڈاکٹر صاحب نے خود کا تحریر کردہ ''حرفِ اوّل'' شاملِ اشاعت نہیں کیا نہ ہی اس کی وجہ تحریر کی۔ ''آخری پیغام'' کتاب کا سببِ تصنیف محمد مسرور احمد نے یوں بیان کیا ہے۔

> ''پیشِ نظر تحقیق کی تقریب یہ ہوئی کہ فاضل مصنف والدی ومرشدی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی نے مخدومی حضرت محمد عبداللہ جان دامت برکاتہم عالیہ (پشاور) کی تحریک پر عالمی شہرت یافتہ خطاط عالم گوہر رقم کے قلمی قرآن کریم ''عجائب القرآن'' پر مفصل مقدمہ لکھا۔''[۴۱]

مذکورہ بالا بیان بڑی حد تک سببِ تصنیف سے آگاہ کرتا ہے۔ اس کی تفصیل اوّل ایڈیشن میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے تحریر کردہ حرفِ اوّل میں ذرا تفصیل سے ملتی ہے۔ اس مقدمے کے لیے ڈاکٹر صاحب کا نام حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی نے تجویز کیا۔[۴۲] اس کے علاوہ ایک اور اہم وجہ ڈاکٹر صاحب نے یہ تحریر فرمائی کہ ''حقیقت یہ ہے کہ یہ مقدمہ فقیر کے والد ماجد مفتی اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ

(م ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) کی آرزو تھی اور انھی کی یہ دعا تھی جس کی مقبولیت کا قدم مقدم پر فقیر نے مشاہدہ کیا۔''۴۳

۱۹۵۸ء میں جب ڈاکٹر صاحب نے اپنے پی ایچ۔ڈی کے مقالے بعنوان ''اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر۔۔۔ایک تاریخی جائزہ'' کے لیے مشورہ کیا تو انھوں جواباً فرمایا۔''جو موضوع تم نے منتخب کیا ہے اس میں دینی خدمت نظر نہیں آتی، قرآن کریم کی ایسی خدمت اگر کرتے تو بہتر ہوتا جس میں تبلیغی جھلک ہوتی۔''۴۴

اپنے والد صاحب کی دعا کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ''ایک انسان جو کسی لائق نہیں اس کو لائق کر دینا کہ وہ قرآن جیسی عظیم کتاب پر مقدمہ لکھنے کی ہمت کرے یہ اسی دعا کا ثمر ہے۔''۴۵ دوسرے اس حرفِ اوّل سے ڈاکٹر صاحب کے تحقیقی ذوق کا بھی پتا چلتا ہے، شاید یہی سبب ہو کہ بطورِ عاجزی؛ جو ان کی طبیعت کا خاصا تھی، دوسرے ایڈیشن میں آپ نے اپنے تحریر کردہ ''حرف اوّل'' کو شاملِ اشاعت نہیں کیا ہو، اس کے علاوہ عجائب القرآن کے بارے میں بھی کچھ مزید معلومات ملتی ہیں، جس کا تذکرہ دوسرے ایڈیشن میں نہیں ہے۔ ایک یہ کہ اس کا طول ۳ فٹ اور عرض ۲ فٹ اور وزن ایک من سے کچھ زیادہ ہے اور پہلے پارے میں بھی خطاط پاکستان جناب خورشید عالم گوہر نے ۳۰۰ رسم الخط میں کتابت کی ہے۔۴۶

اس تحقیقی رجحان کی ایک جھلک اول ایڈیشن کے ''حرف اوّل'' سے دیکھی جاسکتی ہے، جب ڈاکٹر صاحب کو عجائب القرآن کے پہلے پارے کا عکس ملا تو انھیں مسرت اور حیرت ہوئی مگر لکھتے ہیں کہ ''لیکن دل میں یہ خواہش تھی کہ مقدمہ لکھنے سے قبل عجائب القرآن کی اصل کاپی کو ایک نظر دیکھ لیا جائے تا کہ علم الیقین کے بعد عین الیقین بھی حاصل ہو جائے۔'' (کتابِ ہذا، ایڈیشن اوّل، ص ۱۴) جب یہ مرحلہ بھی گزر گیا، جو اُن کے لیے حیران کن تھا تو تلاشِ حق نے یہ لکھنے پر مجبور کر دیا کہ ''فقیر [ڈاکٹر محمد مسعود احمد] چاہتا تھا کہ جناب خورشید عالم گوہر کو خود بھی لکھتا دیکھتا تا کہ حق الیقین حاصل ہو جائے مگر قابلِ اعتماد اور ثقہ راویوں کی پے در پے شہادتوں پر بھروسہ کیا گیا۔''۴۷ اسی تحقیقی انداز کو دوسرے ایڈیشن کے ''حرفِ اوّل'' ابوالسرور محمد مسرور احمد نے برقرار رکھا۔

قرآن کے حوالے سے جو سوالات انسانی ذہن میں اُٹھ سکتے ہیں، اُن کے جوابات منطقی اور مدلل انداز میں دیے گئے ہیں۔ عمومی طور پر ان سوالات سے گریز ہی کیا جاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ ان کے جوابات نہ ملنے سے گمراہی کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے انسانی فکر کی آزادی کو ملحوظ رکھ کر ان سوالات کو اٹھایا بھی اور جوابات بھی دیے۔

> ''یہ تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہاں اگر ایسا ہوتا کہ نبی عربی ہوتا اور وحی عجمی ہوتی تو یقیناً ان کا حیرت و استعجاب صحیح تھا۔''۴۸

مذکورہ بات کی دلیل میں سورہ حم السجدہ ۴۴ کی آیت اور ترجمہ دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''بے شک یہ حیرت کی بات ہوتی مگر پھر بھی ایک شک رہ جاتا ہے وہ یہ کہ جب رسول کی زبان خود عربی ہے تو یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ یہ کلام ان کا نہیں ان کے پالنہار کا ہے؟''۴۹

مذکورہ سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''کلام کے سمجھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں اور ایک ہی متکلم کے کلام میں کبھی زمین و آسمان کا فرق نہیں ہوتا بلکہ متکلم اپنے کلام سے پہچانا جاتا ہے ___ پھر جب اُس متکلم کی زبان پر ایسا کلام آجائے جو کسی حالت میں اس کا ہو ہی نہیں سکتا تو عقل یہ یقین کرنے پر مجبور ہے کہ اس کا سرچشمہ کہیں اور ہے۔''۵۰

مزید دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''کلام میں جھول کا ہونا، اہل قلم کے ہاں پایا جاتا ہے، اُن کا کلام مکمل طور پر بلیغ نہیں ہوسکتا، اس کے علاوہ معنوی حوالے سے انسانی قانون واصول، تجربے اور مشاہدے ایک حالت پر نہیں رہتے، مگر قرآن میں صوری اور معنوی کاملیت ہے۔''۵۱ قرآنی آیت کی تفسیر میں جہاں عام فہم اسلوب اختیار کیا گیا ہے، وہاں تاریخی حقائق کے ساتھ دلیل کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''قرآن حکیم جس ماحول میں نازل ہُوا۔ وہ ان پڑھوں کا ماحول تھا۔ جس کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے۔ ترجمہ: وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں، انھی میں سے ایک رسول بھیجا۔'' اِس آیت کی تشریح میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد تحریر فرماتے ہیں کہ ان پڑھوں میں سے کچھ پڑھے لکھے بھی تھے گو کہ اکثریت ان پڑھوں کی تھی مگر وہ بھی ایسے تھے، جن میں علم وادب سینہ بہ سینہ چلا آتا تھا۔ ان میں مختلف علوم وفنون کا رواج بھی تھا، اس کی تصدیق خود اس امر سے ہوتی ہے کہ قرآن جیسا علمی شہکار اُس معاشرے میں بھیجا گیا۔ تاریخی حقائق سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اہلِ مکہ میں پڑھنے لکھنے کا رواج تھا۔۵۲

ڈاکٹر محمد مسعود احمد تاریخی حقائق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مشہور عربی قصائد ''المعلقات السبعۃ'' لکھ کر دیوارِ کعبہ پر تقریباً ڈیڑھ سو برس تک لٹکتے رہے۔ ابنِ ندیم نے کتاب الفہرست میں لکھا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی چمڑے پر لکھی ہوئی تحریر خلیفہ مامون الرشید کے کتب خانے میں موجود تھی۔ صحیح بخاری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل عربی اور عبرانی زبان میں تحریر کیا کرتے تھے اور عبرانی میں انجیل بھی لکھتے تھے۔۵۳

اس کتاب میں خانقاہی رجحان بھی نمایاں ہے، اِس کی علمی حیثیت خانقاہی مزاج کی ترجمان ہے تو رواداری اور اختلاف سے گریز جو صوفیوں کی شناخت ہے، اِن کا اظہار بھی اس کتاب میں پُرزور انداز میں کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ عالم گیر افراتفری کا خاص سبب یہ ہے کہ رہنماؤں کے فکر وشعور پر اندھیرا چھایا ہوا

ہے، ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں، ایک دوسرے سے لڑ وا رہے ہیں، وہ کام کر رہے ہیں، جو ایک ناسمجھ بچہ بھی نہیں کرتا۔ دنیا کو میدان کارزار بنا دیا ہے۔

ہر جگہ جنگ ہر جگہ ہے نزاع
عرصۂ کارزار ہے دنیا

قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قرآن نے اپنے مقاصدِ جلیلہ میں سب سے بڑا مقصد یہی بتایا ہے، فرمایا کہ ہم نے اس کو اس لیے اُتارا تا کہ دنیا کے آپس کے اختلافات ختم ہو جائیں۔۵۴ محبت اور رواداری کی تبلیغ اور اختلافات اور تنازعات کو ختم کرنے کے بیان میں ڈاکٹر صاحب کے اسلوب میں جذبات کی شدت بھی نمایاں ہو جاتی ہے اور انداز خطیبانہ ہو جاتا ہے۔ شعر کو پیش کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس بیان کے تأثر میں اضافہ کے خواہاں ہیں۔ ''آخری پیغام'' میں تحقیقی رجحان نمایاں ہے، اس تحقیقی اسلوب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جو حوالے دیے گئے ہیں، اُن میں سے بیش تر قرآن ہی کے ہیں، جن میں عربی عبارات مع ترجمہ کا التزام رکھا گیا ہے۔ جملے مختصر مگر معنوی گہرائی لیے ہوئے ہیں۔ ان میں سادگی کے ساتھ روانی بھی ہے۔ ملاحظہ ہوں:

''ہر عمل کا ردِ عمل ہوتا ہے۔۔۔۔ایک عظیم انسان آیا۔۔۔۔ایک عظیم کتاب لایا۔۔۔۔ایک عظیم انقلاب آیا۔۔۔۔اہلِ عرب ہکا بکا رہ گئے، یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے، کیوں ہو رہا ہے اور کیا ایسا بھی ہو سکتا؟۵۵

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ادارہ مسعودیہ، کراچی نے ۱۹۸۴ء اور دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔

سید فضل الرحمان ☆(۶) کی قرآن کے موضوع پر تحقیقی، علمی اور حوالہ جاتی کتاب ''معجم القرآن'' کا تعلق براہِ راست تفسیر سے تو نہیں ہے مگر یہ قرآن کی تفہیم میں معاون ہے۔ قرآن کی تفہیم اس لیے ضروری ہے کہ یہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

ترجمہ: ''یہ ایک مبارک کتاب ہے، جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور عقل مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔''۵۶

غور و فکر اور نصیحت کے لیے تفہیم بہت ضروری ہے۔ اسی طرح بخاری شریف کی حدیث کا ترجمہ:

''تم میں وہ شخص بہتر ہے جو قرآن مجید کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو سکھائے۔''

اس حدیث میں بھی قرآن سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ مذکورہ کتاب کئی صفات لیے ہوئے ہے، بالخصوص محققین کے لیے مددگار ہے، اگر قرآن کی کسی آیت کو تلاشنا ہو تو اس کے کسی بھی لفظ کو معجم القرآن کی مدد

سے بآسانی دیکھا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ قرآن میں بیان کردہ اسم کی واحد یا جمع کو بھی تحریر کیا گیا ہے۔ جیسے لفظ ''آبا'' کے ساتھ اس کی واحد اَبٌ ۵۷، آثار کے ساتھ اس کے واحد اثر ۵۸ اور جبل کے ذکر میں اس کی جمع جبال ۵۹، حَجر کے ساتھ اس کی جمع حِجارۃ وحِجارۃ اور احجار ۶۰ کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ یعنی اس کتاب کی مدد سے قرآن میں استعمال ہونے والے اسم کی واحد یا جمع کو بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

کتاب میں علمی، تشریحی اور تفہیمی انداز نمایاں نظر آتا ہے، جیسے الف اور ہمزہ کے باب میں، ان کا مخرج اور دونوں کا فرق واضح کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ الف حروف ہجاء کا پہلا حرف ہے، اس کا مخرج جوف دہن اور صفت لازمہ رخاوت ہے۔ عربی میں الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، اس لیے الف سے کوئی حرف شروع نہیں ہوتا، یہ ہمیشہ بنا جھٹکے ادا ہوتا ہے، اس سے قبل والا حرف ہمیشہ مفتوح یعنی زبر والا ہوتا ہے، تلفظ میں یہ زبر الف کے سبب لمبا پڑھا جاتا ہے۔ اپنی ادائی کے لیے الف ہمیشہ دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔

ہمزہ حروف ہجا کا اٹھائیسواں حرف ہے، اس کا مخرج اقصیٰ حلق اور صفت لازمہ شدت ہے، اگر الف کو متحرک کر دیا جائے یعنی اس پر زیر، زبر پیش لگا دیا جائے تو اس کو الف کی بجائے ہمزہ کہا جاتا ہے۔ ہمزہ کی کتابت الف اور عین کے سر (ء) کی طرح ہوتی ہے، اس طرح ہمزۂ وصل اور ہمزۂ قطعی کی بھی تعریف اور مثالیں دی ہیں، اس طرح ہمزہ کی قسمیں، ہمزۂ استخبار؛ وہ ہمزہ جس سے کسی چیز کے بارے میں خبر دریافت کی جائے۔ اسی طرح ہمزۂ تسویہ اور ہمزۂ استفہام کی تعریف بھی دی ہے۔

''حبل الورید'' کے ضمن میں رگِ جاں اور شہ رگ لکھنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی تحریر کیا ہے: ''وہ رگ جو دل سے دماغ تک ہے، جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔'' ۶۱ رتلنہ: ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا یعنی ایسا پڑھنا، جس میں ایک ایک حرف یا لفظ الگ الگ ہو۔ ۶۲ رب: پروردگار، ہر چیز کو پیدا کر کے اس کی ضروریات مہیا کرنے اور اس کی تکمیل تک پہنچانے والا، پرورش کرنا، کسی شے کو اس کے تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے، آہستہ آہستہ درجۂ کمال تک پہنچانے کی تربیت کہتے ہیں۔ ۶۳

معجم القرآن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے، جو لفظ دیا گیا ہے اس کا زمانہ اور مصادر بھی تحریر کیے ہیں۔ مثلاً شَرِّد: تو ان کو منتشر کر دے، تشرید سے امر ۶۴ عہد: اُس نے عہد لیا، عہدٌ سے ماضی ۶۵ معجم القرآن کے محرکات میں اوّل تو وہی ہے جسے سید فضل الرحمان نے خود تحریر فرمایا ہے۔

> ''پیشِ نظر تالیف کا اصل محرک ''کلمات القرآن'' تفسیر و بیان مؤلفہ شیخ حسنین محمد مخلوف مطبوعہ ۱۳۷۵ھ۔ ۱۹۵۶ء ہے جو محترم مولانا سید طیب حسین صاحب منگلوری سے حاصل ہوئی اور حضرت مولانا ممدوح نے فرمایا کہ اس کتاب ''کلمات القرآن'' کا اردو ترجمہ شائع ہو جائے تو عوام کو قرآن سمجھنے میں بڑی سہولت ہو جائے گی۔'' ۶۶

اِس کتاب کا دوسرا اہم محرک ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ''جس میں افہام وتفہیم کا طریقہ زیادہ سے زیادہ آسان ہو، صرف ونحو کی تصریحات بھی شامل ہوں اور بیک نظر تمام الفاظ کے مقامات آسانی سے تلاش کر لیے جائیں۔'' ۶۷

کتاب کے مذکورہ محرکات سے یہ بات واضح ہوتی ہے، کہ کتاب کا مقصد عوام وخواص کو قرآن کی تفہیم کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولتیں پہنچانا ہے، یہ عربی سیکھنے میں بھی مدد ومعاون ثابت ہوسکتی ہے۔ کتاب کے مآخذات میں حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تراجم، امام راغب اصفہانی کی کتاب ''المفردات فی غریب القرآن'' اور مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کی ''لغات القرآن'' زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔ معجم القرآن کی دیگر اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

(۱) تمام قرآنی الفاظ کو قرآنی رسم الخط میں تحریر کیا گیا ہے۔

(۲) تمام الفاظ کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔

(۳) جن عربی ابواب سے الفاظ مشتق ہیں، قوسین میں ان کے ابتدائی حرف یا حروف دیے گئے ہیں، مثلاً باب ''سمع کے لیے (س)، نصر (ن)، ضرب (ض)، تفعیل (تف)، افتعال (اف) اور مفاعلۃ کو (مفا) سے ظاہر کیا گیا ہے، اس انداز کے سبب قاری کو لفظ کے ابواب سے آگہی ہوجاتی ہے، جو عربی شناسی کے لیے بہت ضروری ہیں۔

(۴) حوالے کے لیے سورۃ اور آیت کے نشان دیے گئے ہیں اس کے لیے خط ____ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اوپر آیت اور نیچے سورت کا نشان دیا گیا ہے۔ مثلاً ۱۶۶/۲، ایک سو چھیاسٹھویں آیت اور دوسری سورت ہے۔

کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۴ء، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۶ء اور تیسرا ایڈیشن ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔ آخری الذکر زیر بحث ہے۔ ہر ایڈیشن میں کچھ نہ کچھ بہتری ضرور کی گئی ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش مومن کی صفات میں شامل ہے بقول خرم مراد ''احسان'' کی ایک صورت یہ ہے:

> ''احسان کے لیے صرف صلاحیت کافی نہیں ہے۔ صلاحیتیں تو انسان کے اندر بہت ہیں، پیدا ہوسکتی ہیں اور پروان چڑھ سکتی ہیں۔ بڑے بڑے کام سرانجام دیے جاسکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ اس کے اندر یہ آرزو ہو کہ مجھے کچھ بننا ہے۔ کچھ کر کے دکھانا ہے۔ میں جیسا ہوں، مجھے اس پر قانع نہیں رہنا بلکہ اس سے بہتر بنانا ہے۔ ۶۸

''تفسیرِ محمودی'' پارہ عمّ کی تفسیر ہے۔ جسے شاہ مفتی محمد محمود الوریؒ ☆(۷) نے تحریر کیا ہے۔ اس تفسیر کا اسلوب یہ ہے کہ اوّل سورت کا نزول دیا ہے، بعد ازاں چند آیتوں کی عربی عبارت مع اردو ترجمے درج کی ہے، اُس کے بعد اُن آیتوں کے بعض مرتبہ ایک ایک لفظ پر بحث کی گئی ہے، پھر کسی آیت کو موضوع بنا کر اس کی تفسیر و تشریح کی گئی ہے۔ جیسے سورہ ''النّازِعات'' شامل لفظ ''وَّالسّٰبِحٰتِ'' پر تفسیر میں تو کوئی بحث نہیں کی بلکہ جس آیت میں شامل ہے، اس کی تفسیر بھی نہیں کی مگر فوائدِ سورت میں اس لفظ پر دو مقامات پر گفتگو کی ہے، سابحات سے ''مراد اپنی راہوں میں پیرنے تیرنے والے''۶۹ اس کے بعد تحریر فرمایا کہ ''سابحات سے روح کا عالم قدس میں مقید ہونا مراد ہے یعنی آزادی کے ساتھ رحمت کے سمندر میں تیرتی پیرتی ہیں۔''۷۰ پھر اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، جب کہ بیش تر مواقع پر صرف لفظوں کی تفسیر بیان کی ہے۔ سورت کے اختتام پر فوائدِ سورت کے عنوان سے مفصل تفسیر ہے، جب کہ اس سے قبل چند آیتوں کی تفسیر اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

اس تفسیر میں بہت زیادہ کتب سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔ قرآن و احادیث سے مدد لی گئی ہے مگر اُن کے حوالے نہیں دیے گئے۔ قرآن و احادیث کے علاوہ تفسیرِ کبیر، تفسیرِ عزیزی، تفسیرِ مظہری، تفسیرِ جلالین وغیرہ کے مفہوم کو استعمال کیا گیا ہے۔ زیرِ بحث تفسیر میں تحقیقی انداز نہیں برتا گیا ہے۔ عربی عبارت میں قرآنی آیت کے نمبر بھی درج نہیں کیے گئے۔ یہ کام وہ بھی کر سکتے تھے، جن کی زیرِ نگرانی اس کی کمپوزنگ، تصحیح خوانی اور طباعت ہوئی۔

اس تفسیر کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں الفاظ پر جو بحث کی گئی ہے۔ وہ اُردو اور اردو دان طبقے کی لغت میں اضافہ کا باعث ہے۔ ''سَبات'' کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ سبت سے ہے، جس کے معنی قطع کے ہیں۔۷۱ ''حدائق''، حدیقہ کی جمع؛ باغ کو کہتے ہیں۔''۷۲ شفق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ شفق اس سرخی کا نام ہے، جو غروبِ آفتاب کے بعد مغرب کے کناروں پر ظاہر ہوتی ہے، اس کے باقی رہنے تک مغرب کی نماز کا وقت رہتا ہے، جب کہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک شفق اس سفیدی کا نام ہے جو اس سرخی کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔۷۳ اس طرح کی بہت سی مثالیں اس تفسیر میں موجود ہیں۔

اس تفسیر کی ایک صفت یہ ہے کہ قرآنی آیات میں معارفانہ پہلوؤں کی بھی نشان دہی کی گئی ہے، کیوں کہ مفتی محمود الوریؒ کو تصوف سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ آپؒ صوفیانہ افکار کا خصوصی ذوق رکھتے تھے۔ تصوّف سے آپؒ کی دل چسپی کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے جو آپؒ کے فرزند صاحب زادہ ابوالخیر محمد زبیر نے تقریظ میں لکھا ہے، انھیں کی زبانی ملاحظہ کیجیے:

''ہجرت سے قبل ہندوستان کے زمانہ قیام کے دوران ایک روز آپؒ احمد آباد گئے تو وہاں آپ کو لائبریری

ں بدیع التفسیر" کے نام سے ایک متصوفانہ مزاج کی حامل ایک تفسیر ملی۔ آپ اس تفسیر کے گرویدہ ہوگئے اس زمانے میں فوٹو اسٹیٹ کا قصہ ایجاد نہیں ہُوا تھا۔ اس لیے آپ نے اپنے ایک مریدِ خاص کو اس کام پر مامور فرمایا کہ یہاں لائبریری میں روزانہ بیٹھ کر اس تفسیر کو نقل کرو چناں چہ کئی ماہ میں وہ تفسیر نقل ہوئی اور جب آپ ہجرت فرما کر پاکستان آنے لگے تو اس خونی ہنگاموں میں بھی آپ کو وہ تفسیر یاد رہی تھی اور اس کو اپنے ساتھ پاکستان لے کر آئے۔ اس سے آپ کی تصوف کی طرف خصوصی رغبت اور شدید شوق کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔"[۴]

اس تفسیر میں کئی مقامات پر آپ کا صوفیانہ ذوق جھلکتا ہے۔ سورت عبس کی تفسیر کے کچھ صوفیانہ نکتے یہ ہیں۔ (۱) ظاہر میں کوئی کتنا ہی حقیر نظر آئے اس کو حقیر نہ جاننا چاہیے۔[۵] (۲) نابینا سے سبق حاصل کرو اور طلبِ علم اور اللہ کی راہ ڈھونڈنے میں موانع کو بہانہ نہیں بنانا چاہیے۔ (۳) مرشد اور استاد کو چاہیے کہ طالبِ راہِ حق پر جس قدر ہو سکے شفقت اور عنایت کرے۔ (۴) اگر کبھی کسی کی تعظیم میں کمی ہو تو تلافی افزائشِ تعظیم سے کرے۔ (۵) کسی سے ناراضی کے باوجود اس سے بغض نہیں رکھنا چاہیے۔[۶]

اس کتاب کا محرک تو واضح طور پر کہیں تحریر نہیں ہے مگر "تقریظ" کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوفیانہ مزاج اور ذوق، اِس تفسیر کا سبب بنا۔ جس کی مثال اوپر دی گئی ہے۔ جہاں تک کتاب کا اسلوب کا تعلق ہے۔ یہ دو انداز کا ہے، ایک میں تو عام فہم انداز ہے مگر بیان کا حسن نہیں ہے اور کچھ مقامات پر اردو اور فارسی اشعار برمحل استعمال کیے گئے ہیں۔ دوسرے اسلوب میں بھی زبان و بیان کی وہ خوبیاں نہیں ہیں جو خانقاہی ادب سے تعلق رکھتی ہیں، یعنی یہ تفسیر عام فہم نہیں ہے، وجہ اس کی یہ نہیں کہ اس میں دقیق اور نامانوس الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، بلکہ کئی مقامات پر اندازِ بیان اس طرح کا ہے، جس میں الجھاؤ سا محسوس ہوتا ہے، جو غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کتاب کے ظاہری حسن پر تو بھرپور توجہ دی گئی مگر نثر پر نظرِ ثانی نہیں کی جاسکی، پورے پورے پیراگراف بغیر رموز واوقاف کے ہیں۔ اسلوب کی مثالیں ملاحظہ کیجیے۔ سورۃ البلد کے نزول کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

> "تفسیری عزیزی میں اس سورت کا شانِ نزول یوں لکھا ہے کہ قریش میں ایک کافر کلاہ بن اسید نامی بڑا پہلوان قوی ہیکل زور آور تھا کسی چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور لوگوں سے کہتا کہ مجھے کھینچو تمام آدمی مل کر زور لگاتے مگر چمڑا پھٹ جاتا اور وہ اپنے مقام سے جنبش نہیں کرتا، کافر، آں حضرت ﷺ پر ایمان نہیں لایا بلکہ بکواس کرتا تھا اور کہتا کہ جہنم کے قید خانے سے مجھ کو کیا ڈراتے ہو اس کے امین موکل میری قوت کے آگے کیا ہیں تم جنت سے مجھ کو کیا بہلاتے ہو میں مال رکھتا ہوں میرے آگے ایسی چیزوں کی کیا حقیقت ہے تو یہ سورت اُتری۔"[۷]

"کھانے میں نظر وفکر کا حکم دیا تا کہ کھانا جس طرح جسم کے لیے غذا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت حکمت کا مظہر سمجھ کر نظر وفکر کرنا روح کے لیے بھی غذا ہے پس سطحی نظر سے دیکھنا بھی عبادت ہے اور علمی نظر سے گہرا مطالعہ کرنا بھی عبادت ہے دیکھو ان میں افعال وخواص اللہ تعالیٰ نے کیا کیا ودیعت رکھے ہیں اور دیکھو اس کے درخت کس کس طرح کی زمین کو قبول کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ" ۸ے

شاہ مفتی محمد محمود الوریؒ کی "تفسیرِ محمودی (پارہ عمّ (۳۰) کورکن الاسلام پبلی کیشنز حیدرآباد نے ۲۰۰۸ء میں شائع کیا۔ یہ تفسیر ۱۹۸۷ء سے قبل تحریر کی گئی ہے، کیوں کہ آپ کا وصال ۱۹۸۷ء میں ہوا تھا۔ خانقاہی ادب کی بہت کم کتب میں سنہِ تحریر کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔

مولانا عبدالمصطفی الازہری ☆(۸) کی "تفسیرِ ازہری" پارہ ایک تا پانچ پر مشتمل ہے، یعنی سورۂ نسا کی آیت نمبر ۱۴۷ تک کی تفسیر کی گئی ہے۔ اسے جلد ایک کا نام دیا گیا ہے۔ جب کہ مزید پاروں کی تفسیر نہیں کی جاسکی، کیوں کہ مفسر کی زندگی کا بیش تر حصہ تدریس اور سماجی خدمات میں گزر گیا۔ آپ دو مرتبہ پاکستان قومی اسمبلی کے رکن بھی رہے، اس لیے جلد اوّل ہی جلد آخر ہے۔ اس تفسیر میں کسی قسم کی کوئی وضاحتی یا تفسیر سے متعلق تحریر شامل نہیں ہے، ایک تحریر آخر میں مفسر کے حالاتِ زندگی سے متعلق دی گئی ہے، وہ بھی انتہائی تشنگی کا احساس دلاتی ہے۔ جس میں ولادت اور وصال تک کے سنین نہیں دیے ہیں۔ آپؒ کے مختصر مگر ضروری معلومات پر مبنی حالاتِ زندگی محمد زین العابدین شاہ راشدی نے "انوارِ علمائے اہلِ سنت" میں بیان کیے ہیں، مگر اس شکوے کے ساتھ کہ آپ کی اولاد اور عقیدت مندوں کو آپ کے مفصّل حالات لکھنے چاہیے تھے۔ راشدی صاحب کی بیان کردہ معلومات سے پتا چلتا ہے کہ آپؒ کی ولادت ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۸ء اور وصال ۱۶ ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ/۱۸، اکتوبر ۱۹۸۹ء کو ہُوا۔ ۹ے

"تفسیر ازہری" قرآن پاک کی عربی عبارت، ترجمہ اور حاشیے پر مشتمل ہے۔ تفسیر کو پیش کرنے کا اسلوب یہ ہے کہ جس آیت یا جزو کی تفسیر کرنی مقصود ہے، اس کے ترجمے پر وہ نمبر درج کر کے، حاشیے میں اسی نمبر کے تحت تفسیر بیان کر دی گئی ہے۔ اس بات کی قید نہیں کہ جس صفحے کے ترجمے پر نمبر دیا گیا ہو، اسی صفحے پر تفسیر بیان کی ہو، اسی طرح نئے نمبر شروع کرنے میں بھی بظاہر کوئی قاعدہ نظر نہیں آتا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح مسودہ تیار کیا گیا تھا، اسی طور شائع کر دیا گیا۔ اس لیے پیش کش میں کوئی منطق نظر نہیں آتی۔ "تفسیرِ ازہری" میں قرآن کے ترجمے کی عبارت امام احمد رضا خاں کے "کنز الایمان" سے ماخوذ ہے۔

تفسیر میں اصولِ تفسیر کی کما حقہ پابندی نہیں کی گئی ہے۔ جن تفاسیر سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔ ان میں طبری، بیضاوی، روح المعانی، کبیر، مدارک، روح المعانی، خازن وغیرہ شامل ہیں۔ حوالے میں کہیں

صفحات کے نمبر دیے گئے ہیں اور کہیں نہیں دیے گئے۔ قرآن اور احادیث کے حوالے بہت کم ہیں، اس کمی کے باوجود تفسیر میں جو پہلو بھی بیان کیا گیا ہے، اس کی وضاحت جامع انداز میں کی گئی ہے۔

ہر سورت کی تفسیر کی ابتدا میں اس کا مقامِ نزول، شانِ نزول، فضائل، آیتوں، کلمے، حروف کی تعداد اور دیگر ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ بعد ازاں اس کا مرکزی خیال اور تعلیمات کا نچوڑ بھی بیان کیا گیا ہے۔ آلِ عمران کی تفسیر کے آغاز میں لکھا ہے کہ یہ مدینے میں نازل ہوئی، اس میں دو آیتیں، تین ہزار چار سو اسّی کلمات اور چودہ ہزار پانچ سو بیس رکوع ہیں، پھر اس کا شانِ نزول بیان کیا کہ ایک یہودی وفد آپ ﷺ کے پاس آیا تھا اور ان سے آپ ﷺ کی مسیحی عقائد پر گفتگو ہوئی، جس میں آپ ﷺ نے عقائدِ تثلیث کا بطلان اور اسلام کی حقانیت کے بارے میں فرمایا، پھر فضائل کے بارے میں فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ اس سورت کو پڑھنے والے کو جنت میں داخل کرنے کا حکم دے گا، بعد ازاں اس سورت کے دیگر نام الامان، الکنز، المعینہ، المجادلہ، اور الاستغفار بھی تحریر کیے ہیں۔ ۸۰

مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری نے ''تفسیر ازہری'' میں قرآنی احکامات کی تفسیر میں فرائض، واجبات، سنتیں اور مستحب وغیرہ پر اجمالی بحث کی ہے، مگر اس بحث میں بیش تر حنفی نقطۂ نظر کو بیان کیا گیا ہے دیگر آئمہ کرام کے خیالات کو کہیں کہیں پیش کیا گیا ہے۔ جہاں مزید تفصیلات کی ضرورت محسوس ہوئی، وہاں مفسر نے کسی دوسری کتاب سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا ہے، جیسے سورہ نسا میں نمازِ قصر کے حکم میں احادیث اور اس کی مختلف صورتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ مزید تفصیلات کے لیے بہارِ شریعت سے رجوع کریں۔ ۸۱ اسی طرح ایک سے زائد بیوی ہونے کے معاملات میں لکھا ہے کہ شوہر اختیاری معاملات مثلاً نان نفقہ وغیرہ میں برابر حقوق ادا کرے اور جس پر قدرت نہیں، اس میں برابری کرنا مشکل ہوتا ہے۔ مفسر کے خیال میں ''اس آیت کو پورا پڑھنے کے بعد کوئی بھی صاحبِ فہم یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت نہیں۔ ان مسائل کی تفصیل بہارِ شریعت میں دیکھیں'' ۸۲ سورہ نسا کی آیت ۵۸ کی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ امام شافعیؒ و دیگر علما نے فرمایا ہے کہ قاضی پر پانچ باتیں لازم ہیں (۱) فریقین کو برابر موقع دے، (۲) ایک جیسی نشست دے (۳) دونوں پر برابر توجہ دے (۴) ان کی بات ایک ہی طرح سنے (۵) حق دار کو حق دے۔ (اس مسئلے کی پوری تفصیل بہارِ شریعت باب القضا میں دیکھیے۔) ۸۳

تفسیر کا اندازِ بیان سادہ، عام فہم اور رواں ہے۔ اسلوب میں روانی کا سبب چھوٹے چھوٹے جملوں میں فطری باہمی ربط ہے۔ تفسیر میں مناسب الفاظ کا چناؤ کیا گیا ہے، جسے عام قاری بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ اسلوب کی مثال دیکھیے۔

''یعنی اے اللہ مسلمانوں کو ہمارا مددگار بنادے تو جب کم زور یہ دعا کر رہے ہوں۔ اور مظلوم ظلم میں پسے جارہے ہیں پھر کیوں جہاد میں سستی کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کی دعا قبول فرمائی۔ ان میں سے بہت سے لوگ کسی نہ کسی طرح مدینہ ہجرت کر کے آگئے اور بقیہ کو فتح مکہ کے دن اللہ تعالیٰ نے رہائی عطا فرمائی اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو ان کا ولی وناصر بنادیا۔ اس کے بعد عقبہ بن اُسید وہاں کے حاکم مقرر کیے گئے جنھوں نے ان کی حمایت کی (بیضاوی وغیرہ) مسئلہ: معلوم ہوا کہ انبیا کرامؑ وصحابہ کرامؓ ومجاہدین مسلمانوں کے ولی ومددگار ہیں اور یہ خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔'' ۸۴

''تفسیر ازہری'' کے دو ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ اوّل ایڈیشن، ان کے نواسے صاحب زادہ ریحان امجد علی نعمانی، مہتمم دارالعلوم امجدیہ ٹرسٹ کراچی کے مطابق، عبدالمصطفی الازہری کے وصال سے ۸ یا دس سال پہلے طبع ہوا تھا۔ جب کہ دوسرا، ایڈیشن ۲۰۰۸ء یا ۲۰۰۹ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کی تفصیلات تفسیر میں کہیں نہیں دی گئی ہیں۔ یہ کمی پیش کش کے جدید اور تحقیقی رجحان سے ناواقفیت کے سبب ہے۔ خانقاہوں اور دینی حلقوں سے وابستہ بہت سے افراد اِن پہلوؤں پر کم توجہ دیتے ہیں۔ جس کی تحقیق میں اہمیت مسلّم ہے، انھیں کتب کی افادیت اور اہمیت کو بڑھانے کے لیے پیش کش کے جدید انداز اور نئے تحقیقی رجحان سے آگاہی حاصل کرنی اور انھیں اختیار کرنا چاہیے۔

''مفتاح المقطعات'' ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی ☆(۹) کی ایک خاص نوع کی تفسیر ہے۔ جس میں قرآن کے اُن حروف کو موضوع بنایا ہے، جس کی تشریح اور تفہیم کے بارے میں عوام تو عوام، خواص تک کا یہ نقطۂ نظر ہے کہ ان کے معنی اور مفہوم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ایک گروہ تو ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ ان کے معنی سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا، اگر ان دونوں گروہوں کی باتوں کو تسلیم کر لیا جائے تو ان حروف کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور یہ صرف جھاڑ پھونک اور برکت ہی کے لیے مخصوص ہو جاتے ہیں۔ اہل اللہ نے اِن قرآنی حروف کی توضیح کرنے کی کاوشیں کی ہیں۔ ان میں ایک نام ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیف نیازی کا ہے۔ انھوں نے اگرچہ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ میں نے سابقہ تاویلات سے استفادہ کیا ہے اور میرے قلم کا دخل اس میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ مفسر کی عاجزی اور انکساری ہے جو ان کی ہر تحریر میں نمایاں ہے۔ حروف مقطعات پر علمائے کرام نے بوجوہ بہت کم لکھا ہے، کیوں کہ نہ صرف یہ ایک مشکل امر ہے بلکہ بہت زیادہ احتیاط کا متقاضی بھی ہے، اس لیے چند حروف پر کچھ افراد نے قلم اُٹھایا ہے۔ ان حروف پر بیضاوی، لباب لطائف، کشف الاسرار، بحرالحقائق، معالم، احقاف، تیسیر اور روح البیان میں لکھا گیا ہے۔ اس موضوع پر ایک مفصل کتاب ''اسرار المقطعات'' پیر غلام محمد جلوآنویؒ کی ہے، جب کہ زیرِ بحث کتاب اس کے مقابلے میں اختصار لیے ہوئے ہے۔

''مفتاح المقطعات'' کے آغاز میں تین تفصیلی مقدمے ہیں۔ مقدمۂ اوّل میں ''تاویل'' دوم میں ''تفسیر'' اور سوم میں ''متشابہات'' پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ ان تینوں پہلوؤں میں سے ان نکات کو بھی پیش کیا گیا ہے جن سے حروف مقطعات کی تفسیر کی سند نکلتی ہے، جیسا کہ ''تاویل'' کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ تاویل کرنے والے تین گروہ ہیں۔ اِن میں ''تیسرا فرقہ اعتدال پسندوں کا ہے جن کے خیال میں ہر چیز کا ایک محل ہوتا ہے۔ تاویل کسی قاعدے اور دلیل سے ہونا چاہیے جو قرآن وسنت سے متصادم نہ ہو۔''۸۵ گویا حروف مقطعات کی ایسی تاویل پیش کی جاسکتی ہے جو قرآن واحادیث سے متصادم نہ ہو۔ اس سلسلے میں شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ کا حوالہ بھی دیا ہے، جو رائے سے تفسیر دینے کو کفر سمجھتے تھے مگر تاویل کو درست سمجھتے تھے، پھر اس بارے میں ابن عربیؒ کی کئی تاویلات کی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

تفسیر کی قسموں میں ایک ''تفسیر بالرائے'' ہے، جسے بیش تر علمائے کرام نے کم زور قرار دیا ہے۔ بالخصوص آپ ﷺ کی اس وعید کے بعد، جس میں کہا گیا ہے کہ ''جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تیار کرلے۔''۸۶ پھر امام غزالیؒ کے اس منطقی دلیل کو پیش کیا ہے کہ جب قرآن میں سابقہ معلومات ہی کو پیش کرنا مقصود ہے تو پھر قرآنی حکم ''قرآن پر غور وفکر کرو'' کا کیا مقام رہ جاتا ہے۔۸۷ امام غزالیؒ کی اس سند سے بھی حروف مقطعات کی تاویل کرنے کی گنجائش نکلتی ہے۔ تیسرے مقدمے میں ''متشابہات'' کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ جس میں حضرت ذہین شاہ تاجیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا کی باتیں خدا ہی جانے، وہ الا اللہ پر ٹھہر جاتے ہیں۔ اس صورت میں جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں آیاتِ متشابہات کا نازل ہونا نہ ہونا مساوی رکھتا ہے۔ بلکہ نازل ہونا فعل عبث اور بیکار محض قرار پاتا ہے۔ حالانکہ فعل عبث کی نسبت خدا کی طرف جائز نہیں۔''۸۸ یہ ایک طویل بیان ہے جس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ آیاتِ متشابہات کا علم اللہ اور علمائے باللہ کے لیے مخصوص ہے۔ جنھیں قرآن نے ''الراسخون فی العلم''۸۹ قرار دیا ہے۔

ایک فصل حروفِ مقطعات کی خصوصیات کے بارے میں بھی ہے، جن میں معلومات کے ساتھ استدلال سے بھی کام لیا گیا ہے۔ ایک مقام پر مفسر بیان کرتے ہیں کہ بیش تر حروفِ مقطعات کے بعد کتاب یا قرآن کا ذکر ہے، اسی طرح یہ حروف؛ سورت کے آغاز میں آئے ہیں، اگر مکررات کو شامل نہ کیا جائے تو اِن کی تعداد ۷۸ ہوتی ہے، ان میں کُل چودہ حروف استعمال ہوئے ہیں۔ تین حروف مفرد ہیں ق ن ص، چار حرف دوحرفی ہیں حم، طہٰ، یٰس، طٰس وغیرہ۔ ان کے بعد وحدت الوجود سے متعلق موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔ جس کی وضاحت مفسر نے یوں کیے کہ ''حروف مقطعات کی تاویلات کے علاوہ ''وحدت الوجود'' کی بحث مختصر طور پر

اس میں شامل کی گئی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری گفتگو کا پس منظر چوں کہ ''وحدت الوجود'' ہے۔اس لیے اس مسئلہ کو سمجھنا ضروری ہے۔''۹۰

حروفِ مقطعات کی تاویلات میں مفسر نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ان میں بیضاوی، خازن، لباب لطائف، کشف الاسرار، بحرالحقائق، معالم، احقاف، تیسیر، تاویلات روح البیان وغیرہ شامل ہیں۔ان کے علاوہ مولانا پیر غلام محمد جلوآنویؒ کی ''اسرار المقطعات'' ہے جس میں ان حروف کی تشریح کی گئی ہے۔زیرِ بحث کتاب میں ان حروفِ مقطعات کی تاویلات میں ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے کہ جو حروف پہلے آئے ہیں۔ان کی تاویل شروع میں اور جو بعد میں آئے ہیں، ان کی توضیح آخر میں کی گئی ہے۔جن حروف کا تذکرہ پہلی مرتبہ آیا ہے، اُس وقت اس پر مفصل روشنی ڈالی گئی اور جب دوبارہ وہ حرف آیا تو انتہائی اختصار سے اس کو دہرایا گیا ہے۔جیسا کہ الف کے ضمن میں شروع میں فرمایا:

> ''الف سے مراد صوفیائے کرام کے نزدیک ذاتِ احدیت ہے۔حروف تہجی میں ''الف'' کی بہت اہمیت ہے۔الف کو صورتاً و معناً ہر حرف میں موجود سمجھا جاتا ہے۔خواہ وہ ظاہر بظاہر نظر نہ آئے۔جس طرح الف کو تمام حروف کے ساتھ عینیت ہے بجنسہٖ حق تعالیٰ کو تمام کائنات سے عینیت ہے۔الف کا تنزل عالمِ غیب سے سے عالمِ شہادت کی طرف تمام حروف کی شکل میں ہے۔کل حروف کا تعلق الف سے ہے لیکن الف کو خود کسی سے غرض نہیں۔''۹۱

جب دوبارہ الف کا ذکر آیا تو تو مذکورہ بالا پہلوؤں میں سے چند کو دہرا دیا گیا ہے۔جن نکات کو پیش کیا گیا ہے۔ان میں کچھ کی دلیل نہیں دی گئی ہے جیسا کہ یہ بات کہ الف کو صورتاً و معناً ہر حرف میں موجود سمجھا جاتا ہے۔کیوں؟ کس نے یہ نکتہ بیان کیا اور کس وجہ سے؟ ان سوالات کے جوابات نہیں ملتے۔اسی طرح کل حروف کا تعلق الف سے ہے۔وہ کیسے؟ اس بات کا بھی تشفی جواب نہیں دیا گیا۔جہاں جہاں دیگر کتب اور مصنفین سے استفادہ کیا گیا ہے۔ان کا ذکر کیا گیا ہے۔مگر اسے جدید تحقیقی انداز سے پیش نہیں کیا گیا ہے۔حروف کی تاویلات میں مذکورہ بالا کتب کے علاوہ دیگر کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے مگر ان کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔

''مفتاح المقطعات'' کے محرکات کا تذکرہ تو مفسر نے کہیں نہیں کیا، یہ موضوع اس نوع کا ہے کہ یہ اہلِ علم کے لیے تحریر کی گئی ہے، عام خانقاہی افراد کی تفہیم سے ماورا ہے۔یہ ایک انتہائی علمی نوعیت کی کتب ہے، اِس سے استفادہ وہی افراد کر سکتے ہیں جو تصوّف کے بنیادی علمی معاملات سے آگہی رکھتے ہوں۔ہمارے ہاں بعض حلقے قرآن کو ترجمے سے پڑھنے، اس کے سمجھنے اور اس پر غور و فکر کرنے سے منع کرتے ہیں، اس طبقے کا

خیال ہے کہ قرآن کو کسی عالم ہی سے سمجھنا چاہیے ورنہ گمراہی کے امکانات بھی ہیں، اسی طرح ایک گروہ حروفِ مقطعات کی تفسیر کی ممانعت کرتا ہے۔ ان گروہوں کے تاثر کو زائل کرنا بھی اس کتاب کا مقصد ہوسکتا ہے۔

''مفتاح المقطعات'' کا اندازِ بیان علمی ہے مگر جو الفاظ استعمال کیے ہیں، ان میں سے بیش تر تعلیم یافتہ طبقے میں مستعمل ہیں، کہیں کہیں اردو اور فارسی کے اشعار بھی دیے ہیں۔ اِس کتاب کے اسلوب کی ایک کمزوری یہ ہے کہ ایک ایک پہلو کو کئی بار بیان کیا گیا ہے، یہ تکرار بعض مواقع پر حسن بیان کو متاثر کرتی ہے، تکرار کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ حروف بار بار استعمال میں آئے ہیں۔ اس لیے اُن کی تشریحی نکتے کی تکرار ہوئی ہے۔

میرزا اختیار حسین کیف نیازی کی اس کتاب کو ویلکم بک پورٹ کراچی نے بارِ اوّل ۱۹۹۳ء اور دوبارہ ۲۰۰۹ء میں شائع کیا۔

ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کا تعلق سندھ کے خانقاہی نظام سے وابستہ اُن شخصیات میں ہوتا ہے جن کا علمی و روحانی مقام بہت بلند ہے۔ ''فلسفہ ''وحدت الوجود'' جن کی شناخت ہے۔ آپ کی ہر تصنیف میں اس موضوع پر علمی گوہر بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ آپ خود بھی اس کا اقرار جا بجا کرتے رہتے ہیں۔ ''معارف التسمیہ والفاتحہ'' آپ کی وہ تفسیر ہے، جس میں بسم اللہ اور سورۂ فاتحہ کی عارفانہ تفسیر کی گئی ہے۔ عارفانہ تفسیر سے مراد وہ تفسیر ہوتی ہے، جس میں قرآن کے اُن پہلوؤں کو زیادہ بیان کیا جاتا ہیں، جس سے تصوّف کے مضامین افشا اور معرفت الٰہی کے در وا ہوتے ہیں، ان کے ساتھ ساتھ قرآن کے باطنی معنی بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ اِس نوع کی تفاسیر کے بارے میں کچھ مکتبۂ فکر کے تحفظات بھی ہیں، اِن میں سے ایک طبقہ وہ بھی ہے جو وحدت الوجود کا قائل نہیں ہے اور اس نظریہ کو خلافِ اسلام، الحاد اور زندقہ سمجھتا ہے۔ انھیں یہ تفسیر پسند نہیں آتی ہے، اسی وجہ سے ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیف نیازی نے پیشِ لفظ میں اس کی وضاحت کردی ہے کہ ''یاد رہے کہ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی تحریروں میں ظاہر و باطن کا فرق ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں علمائے ظاہر کی تحریریں اہمیت میں کم تر ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ کسی عمارت میں خشت اوّل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جس کے بغیر عمارت کی تکمیل ممکن نہیں۔ اس ظاہر و باطن کو اصطلاحاً بالترتیب فقہ و تصوّف کہا جاتا ہے۔''[۹۲] کیف نیازی نے علما کی اہمیت کو تو تسلیم کیا ہے مگر صوفیہ کو علم فراست کے لحاظ سے بلند رتبہ اور علمائے حق قرار دیا ہے۔[۹۳]

''معارف التسمیہ والفاتحہ'' تین مضامین اور ایک مقدمے پر مشتمل ہے۔ مضامین مختلف مواقع پر تحریر کیے گئے ہیں۔ مقدمے کا موضوع قرآن ہے، جب کہ مضامین کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور دوسرا حصہ سورۂ فاتحہ کی عارفانہ تشریح و توضیح پر مشتمل ہے، جب کہ تیسرے حصّے میں توحید، حقیقتِ محمدیؐ، وحدت الوجود اور مراتبِ ستہ کے موضوعات پر عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ مقدمے میں آپ

نے قرآن کی کئی پہلوؤں پر اختصار سے روشنی ڈالی ہے۔اس میں بھی بنیادی نکتہ وحدت الوجود ہی کا ہے۔آپ نے لکھا ہے کہ قرآن اللہ اور حدیث حبیب اللہ کا کلام ہے۔ان دونوں کے باہمی ربط کو سمجھنے کے لیے اللہ اور رسولؐ کے ربط کو جاننا ضروری ہے۔اسی باہمی ربط کو مفسر نے ''وحدت الوجود'' لکھا ہے۔۹۴

عقیدے وحدت الوجود کی مختلف مقامات پر توضیح وتشریح کی ہے۔ایک موقع پر تحریر فرمایا ہے کہ ''عقیدہ وحدت الوجود'' کی رو سے یہ تمام کائنات اسی ذات کا ظہور ہے۔بلحاظ تعین یہ کائنات ضرور غیر ذات لیکن بلحاظ اصل وہ ذات سے الگ نہیں، جیسے مٹی اور مٹی سے بنائے گئے برتنوں میں اصلاً کوئی غیریت نہیں یا برف اور پانی حقیقتاً ایک دوسرے سے الگ نہیں۔''۹۵ اس پہلو کی مزید وضاحت یوں پیش کی گئی کہ کائنات کو ذات سمجھنے سے یہ مراد نہیں کہ ہم ہر فرد اور ہر شے کو خدا سمجھنے لگیں، کیوں کہ جزو کو کل نہیں سمجھا جا سکتا۔اس کی مثال دیتے ہوئے لکھا کہ جس طرح زید کا ہاتھ یا پیر زید نہیں ہو سکتا، نہ کوئی زید کی بجائے اس کے ہاتھ سے یہ کہے کہ زید کی جیب سے پیسے نکال دے۔وحدت الوجود کا مطلب ''ہمہ اوست'' ہے نہ کہ ''ہمہ شے اوست''، بت پرستی کے شرک کی وجہ یہی ہے کہ محدود کو لامحدود اور جز کو کل سمجھ لیا گیا۔اس کا ایک اصول یہ ہے کہ ہر شے بلحاظ اصل ایک مگر تعین غیر ذات ہے۔اس کی مزید وضاحت کے لیے وحدت الوجود کے سب سے بڑے علم بردار ابن عربی کا عربی شعر بھی دیا ہے جس کا ترجمہ ہے کہ رب، رب ہے خواہ وہ جس قدر نزول کرے اور بندہ بندہ ہے خواہ وہ کتنا ہی عروج کرے۔۹۷

تفسیر کے ضمن میں میرزا اختیار حسین کیف نیازی نے حضرت امام حسینؓ کی ''مراۃ العارفین''، عبدالکریم جیلیؒ کی ''الکہف الرقیم''، حضرت امام فخر الدین رازی کی ''تفسیر کبیر'' اور ابن عربی کی ''فصوص الحکم'' وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔مفسر نے بسم اللہ کی تفسیر میں تمام علوم کا منبع ''ب'' کے نقطے میں بیان کیا گیا ہے، جس کے لیے عبدالکریم جیلیؒ اور امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر کے حوالے دیے ہیں۔تفصیل کچھ اس طرح سے ہے کہ تمام علوم قرآن میں، قرآنی علوم سورہ فاتحہ میں، فاتحہ کا مغز بسم اللہ اور بسم اللہ کا ''ب'' میں اور ''ب'' کا اس کے زیریں نقطے میں، پھر نقطے کی علاحدہ تفسیر میں منطقی انداز اختیار کر کے، اس کی اہمیت اور اس کا تعلق ذاتِ توحیدی سے جوڑا گیا ہے، پھر بیان کیا گیا ہے کہ کل موجودات اسی نقطے سے وجود میں آئی ہے۔''ب'' کی تفسیر میں ایک پہلو یہ بیان کیا ہے کہ ''ب'' کی عمودی شکل ''ا'' (الف) ہے جو ذاتِ احدیت کی طرف اشارہ کرتی ہے، اسی طرح دیگر لفظوں اسم، اللہ، الرحمٰن اور الرحیم کے علاوہ اسم کا ''الف'' جو بسم اللہ میں معدوم ہے؛ اُس کی بھی تفسیر بیان کی ہے۔اس تفسیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے تمام اجزا باہمی ربط لیے ہوئے ہیں، ہر نئے جزو کی تشریح میں پچھلے جزو کی تشریح کر کے تعلق پیدا کیا گیا ہے۔

کیف نیازی صاحب نے علامہ اقبالؒ کے ایک خط بنام سراج الدین پال، مورخہ ۱۹، جولائی ۱۹۱۶ء کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے، جس میں آپؒ نے صوفیانہ تفسیر پر سخت قسم کا ردِ عمل ظاہر کیا تھا۔ علامہ اقبال کی بحث صرف قارئین کی محض دل چسپی کے لیے پیش کی۔ جس سے یہ بات تو پتا چلتی ہے کہ اقبال آغاز میں تصوّف کے خلاف تھے، مگر بعد ازاں ان میں جو تبدیل آئی تھی، اس پر کوئی یقینی بات یا دلیل نہیں دی۔ ارمغانِ حجاز کا حوالہ دیا ہے، جو ان کے وصال کے بعد شائع ہوئی تھی، جس میں وحدت الوجود کے مضامین ہیں۔ اقبال اور تصوّف کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، تصوف کے ایک بڑے مخالف پرویز نے اپنی کتاب ''حقیقتِ تصوّف'' میں اس تبدیلی پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اقبال جو پہلے تصوّف کو مکمل اسلام کے خلاف سمجھتے تھے، بعد میں اس کے مبلغ بن گئے۔ ۹۷

مذکورہ کتاب کا محرک زیرِ تفسیر آیت وسورہ میں وحدت الوجود کے پہلوؤں کا اظہار ہے۔ وحدت الوجود کا بیان، توجیہ اور توضیح؛ مفسر کی خاص دل چسپی کے موضوع ہیں۔ انھوں نے اس بات کا اظہار زیرِ بحث کتاب میں بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں: '' آئندہ اوراق میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ دراصل ''وحدت الوجود'' سے ان عنوانات کے تعلق کی بنا پر لکھا گیا ہے، یہی ضرورت اِس تحریر کی محرک ہوئی، جس کا مرکزی خیال اور بنیادی پس منظر ''وحدت الوجود'' ہے۔'' ۹۸ اس کے علاوہ ایک اور مقصدِ تحریر سالکین اور ذوقِ تصوّف کے حامل افراد کو شرابِ معرفت کے کیف سے آشنا کرنا بھی ہے۔ ۹۹

''معارف التسمیہ والفاتحہ'' کا اسلوب علمی انداز کا حامل ہے۔ اس میں دقیق نوعیت کے موضوعات ہیں۔ عارفانہ تفسیر خود ایک اہم پہلو ہے، جس کو سمجھنے کے لیے جہاں مطالعہ ضروری ہوتا ہے، وہیں اہلِ باطن کی صحبت بھی معاون ہوتی ہے۔ مفسر نے ان مضامین میں کئی مواقع پر وہ اندازِ تحریر اختیار کیا ہے، جس سے بات کی تفہیم سہل ہو جاتی ہے۔ لفظیات عام نہیں ہیں مگر علمی و ادبی نوعیت کی ہیں۔ بات کی وضاحت کے لیے عمومی زندگی سے مثالیں پیش کی ہیں، بیان میں روانی ہے۔ ذیل میں اندازِ بیان کی مثال ''الف مستور'' کی تفسیر سے پیش کرتے ہیں۔

> ''الف غائب ہے لیکن معقول فی الذہن ہے، یعنی باوجود تحریر میں نہ لانے کے وہ موجود ہے۔ ''الف تمام مراتب میں زیادہ ہے۔ سایہ ہمیشہ صاحب سایہ کے نیچے رہتا ہے۔ اسی طرح ''ب'' ''الف'' کا ظل یا سایہ ہے۔ الف نقطوں کی عمودی شکل ہے اور ہر حرف کی صورت میں تصور کیا جاتا ہے یعنی الف ہر حرف میں صورتاً و معناً پایا جاتا ہے۔ نقطہ عالمِ غیب سے عالم شہادت کی طرف الف کا تنزل ہے۔ حق تعالیٰ کو عالم کے ہر جز، کل سے ایسی ہی عینیت ہے جیسی الف کو ب اور کل حروف کے ساتھ ہے۔ اس عینیت کے باوجود الف اپنی جگہ فی نفسہ بلا تعدد و تقسیم باقی رہتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے

جیسے کوئی شخص اپنے خیال کے اندر فی الخارج ایک باغ لگائے وہ باغ اس شخص کا ظل ہے اور شخص صاحبِ ظل ہے۔ اس ظل یعنی باغ کا وجود اس شخص سے ہی ہے۔ صاحبِ ظل کو ظل کے ساتھ عینیت ہے لیکن باوجود اس عینیت کے وہ شخص اس ظل یعنی باغ سے مبرّا ہے، اس لیے ظل کو فانی اور صاحبِ ظل کو باقی کہا جاتا ہے، حالانکہ ظل فنا ہونے کے بعد صاحبِ ظل کے ساتھ ہمیشہ باقی رہتا ہے، یہی توحید ذاتی ہے۔'' [۱۰۰]

''معارف التسمیہ والفاتحہ'' کی اشاعتِ اوّل جماعت سالکین آغائی مرتضویہ، کراچی سے ۱۹۹۳ء میں ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب زادہ فریدالدین ☆(۱۰) کی ''تفسیر سورہ الم نشرح'' دراصل جمعے میں دیا ہوا ایک خطبہ ہے، جس میں مذکورہ سورہ کی تفسیر بیان کی گئی تھی، بعدازاں جسے شائع کیا گیا۔ اس تفسیر سے قبل ان کی سورۂ حجرات کی تفسیر بھی شائع ہو چکی ہے، جب کہ کچھ سورتوں کی تفسیر آڈیو، وڈیو ریکارڈنگ کی صورت میں موجود ہیں۔ اس کتاب کا کوئی محرک تو داخلی طور نہیں ملتا مگر آپ نے کئی وعظ اس نوعیت کے دیے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فریدالدین اپنے سلسلے سے وابستہ افراد اور دیگر عقیدت مندوں کو قرآنی احکامات اور تعلیمات سے آگاہی دینے کے خواہاں ہیں۔ ان تفسیروں کی اشاعت سے یہ فیض مسجد سے وسعت پا کر دیگر افراد کے ذہنوں اور دلوں تک رسائی کر گیا۔

''تفسیر الم نشرح'' میں ڈاکٹر فریدالدین قادری نے سورت کے بارے میں ابتدائی معلومات مثلاً یہ مکّی سورت آخری پارے میں ہے اور اس میں آٹھ آیات ہیں؛ فراہم کرنے کے بعد اسے اللہ کی جانب سے ایک نعمت قرار دیا ہے۔ اُنھوں نے اس سورت کی ایک ایک آیت کے بارے میں مدلّل انداز میں تحریر کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے محبوب ﷺ کے لیے خوش خبریاں ہیں۔ مفسر نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ قرآن پاک میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے نعت پیش کی ہے۔ [۱۰۱] سندھ کے مشہور نقشبندی بزرگ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ؒ نے تو ایک پوری کتاب ''ہمہ قرآن در شان محمد ﷺ'' تحریر فرمائی ہے، جس میں ہر سورت میں آپ ﷺ کی تعریف کا کوئی نہ کوئی پہلو بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر فریدالدین قادری نے سورت میں موجود الفاظ کی معنوی گہرائی پر بھی بحث کی ہے۔ جیسے ''الم نشرح'' کے ترجمے ''ہم نے کیا کھول نہیں دیا'' کی تفسیر میں فرمایا کہ: ''یعنی یقین کرو آیاتِ شریفہ میں یہ الفاظ ''کیا ہم نے کھول نہیں دیا''، یہ خود اس طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے یقین رکھو۔'' [۱۰۲] اسی طرح لفظ ''لک'' ''آپ کے لیے'' کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ ''یہ لک کا لفظ جو ہے یعنی آپ کی خاطر آپ کے لیے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی شان میں اضافہ فرما رہا ہے، کوئی چیز کسی کو کوئی دے اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دے، یہ آپ ہی کے لیے ہے تو آپ اندازہ لگائیے کہ اس کی شان کیا ہو جائے گی۔'' [۱۰۳]

ڈاکٹر فرید الدین نے اس سورت کی تفسیر میں قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کو بھی بیان کیا ہے مگر ان کے حوالے نہیں دیے۔ اس کی وجہ شاید اس کا جمعہ کا خطاب ہونا ہو، کیوں کہ اندازِ بیان سے بعض مقامات پر پتا چلتا ہے کہ اسے من وعن قلم بند کر دیا گیا ہے۔ توجہ کے ساتھ نظرِ ثانی نہیں کی گئی، جس کی وجہ سے بعض مقامات پر جملوں کی ساخت میں ترتیب نہیں ہے۔ ابتدائی سطور میں یہ جملہ ہے۔ ''بڑی عظیم الشان نعت شریفہ ہے سرکار دو عالم فخر بنی آدم رحمت للعالمین شافع المذنبین کی۔''۱۰۴ اسی طرح ''دیکھیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قرآن مجید میں آیا کہ دعا فرمائی کہ: ''اے میرے رب میرے سینے کو کھول دے۔''۱۰۵

تفسیر کا اسلوب خطابیہ رنگ لیے ہوئے ہے۔ سامعین میں ہر سطح کے افراد ہوں گے تو تفسیر کے بیان میں عام فہم انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ایک موقع پر ہندی اشعار کا سہارا بھی لیا ہے۔ ان اشعار کے اردو معنی بھی تحریر فرمائے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

ایکن کو دیت پھرائے کے
ایکن کو بٹھائے دیت ہے
ایکن کو مانگے دیت ہے
ایکن کو دیت نہ لیت ہے

کہ ایک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ پھراتا ہے جگہ جگہ اور پھرا کر اس کو دیتا ہے، اور ایک وہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ایک ہی جگہ بٹھا کر دے دیتا ہے، ایک وہ ہوتا ہے کہ جس کو مانگنے سے دیتا ہے مانگے گا تو دے گا اور ایک وہ جس کو نہ دیتا ہے اور نہ لیتا ہے۔۱۰۶ اس کتاب کی پہلی اشاعت مئی ۲۰۰۴ء میں قادری پبلی کیشنز کراچی کے زیرِ اہتمام ہوئی۔

سید فضل الرحمٰن کی قرآنی تفسیر ''احسن البیان'' آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس تفسیر کے محرکات میں قرآن فہمی کا فروغ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ سرِ ورق کی عبارت سے بھی کچھ مقاصد کا اندازہ ہوتا ہے۔ جس پر درج ہے: ''نصابی تقاضوں اور درسی خصوصیات کے ساتھ پارہ عم کی جامع تفسیر'' یہ تحریر اس بات کی غماز ہے کہ سید فضل الرحمٰن کی خواہش ہے کہ وہ نئی نسل کو بالخصوص اور دیگر افراد کو بالعموم قرآنی تعلیمات اور احکامات سے مزیّن کرنا چاہتے ہیں۔ مفسر کے نزدیک موجودہ عہد میں مسلمانوں بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں نے جس طرح قرآن سے ناتا توڑا ہے، وہ علما و مشائخ کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ ان کا نقطۂ نظر ہے کہ قرآن سے دوری کے سبب ہی آج عالمِ اسلام زوال پذیر ہے۔

یہ قرآنی تفسیر ایک خاص انداز کی حامل ہے۔ اس میں پہلے چند آیات مثلاً ۶ سے لے کر ۱۰ تک کی عربی

عبارت دی ہے۔ یہ عربی عبارت بھی مخصوص کتابت میں ہے جو ''تفسیر الملتقط'' کے ساتھ تھی، جس کی اجازت سید انور حسین نفیس الحسینی نے حافظ سید عزیز الرحمٰن کو دی۔ ہر سورت کے آغاز میں ''وجہ تسمیہ'' کے تحت سورت کے نام کا سبب اور دیگر ناموں کو بھی تحریر کیا ہے۔ ہر سورت سے متعلق ضروری معلومات تحریر کر دی گئی ہیں۔ مثلاً ''سورۃ النبأ'' کی وجہ تسمیہ میں بیان کیا کہ ''نبا کے معنی بڑی خبر کے ہیں، اس سورت میں عظیم الشان خبر یعنی قیامت کا ذکر ہے۔ اس لیے اس کا نام سورۃ النباہ ہو گیا۔ اس کو سورۂ عم، سورۂ یتساءلون، سورۃ التسئول اور سورۃ المعصرات بھی کہتے ہیں۔''[۱۰۷] سورتوں کے یہ نام کہاں سے ماخوذ ہیں۔ ان کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔

سورت کی تفسیر میں اس کا تعارف و خلاصہ اور سابقہ سورت سے مذکورہ سورت کے ربط کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ سورت کے تعارف میں رکوع، آیات، کلمات اور حروف کی تعداد بیان کرنے کے ساتھ اس کا مقامِ نزول یعنی مکی اور مدنی ہونے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ جن کتب سے یہ معلومات اخذ کی گئی ہیں، اُن کا حوالہ تحریر کر دیا گیا ہے۔ ''خلاصہ'' اس تفسیر کی ایک اہم خوبی ہے، جو اختصار اور جامعیت کے حامل ہیں۔ سورۃ النازعات کا تعارف اور خلاصہ ملاحظہ کیجیے۔

> ''اس میں دو رکوع، ۴۶ آیات، ۱۷۰ کلمات اور ۷۳۰ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکّے میں نازل ہوئی۔ (مواہب الرحمٰن ج ۳۰، ص ۵۳۔ روح المعانی ج ۳۰، ص ۲۲)
> اس میں عقیدے توحید کا بیان، رسالت کا اثبات، بعث بعد الموت اور حشر و نشر کے دلائل و شواہد مذکور ہیں۔''[۱۰۸]

بیش تر سورتوں کا لازمی جز و سابقہ سورت سے ربط بھی ہے۔ یہ قرآن کو (نعوذ باللہ) بے ربط کہنے والوں کے لیے مدلل جواب ہے۔ یقیناً یہ خوبی بہت ہی کم تفاسیر کا حصّہ ہوں گی۔ سورۃ الفجر کا سابقہ سورت سے ربط کا اسلوب ملاحظہ کریں۔

> ''گذشتہ سورت میں قیامت کے ہولناک احوال بیان کیے گئے تھے، اس سورت میں بعض سابقہ اقوام کے عبرت ناک انجام کا بیان ہے، تاکہ انسان اس سے سبق حاصل کرے اور جان لے کہ جب ایسی طاقت ور قومیں نافرمانی کی سزا میں نشانِ عبرت بنا دی گئیں تو کس کی مجال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اس کے عذاب سے بچ سکے۔''[۱۰۹]

سید فضل الرحمٰن کا تفسیری انداز انتہائی مؤثر ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ جن آیتوں کی تفسیر کرتے ہیں، اُنھیں عنوان دے دیتے ہیں، جس سے قاری کا ذہن مرکزی نکتے پر مرتکز ہو کر اُسے قبول کر لیتا ہے۔ نئے الفاظ یا غیر مانوس الفاظ کے معنی بیان کرتے ہیں، پھر ان الفاظ کی نحوی تقطیع کرتے ہیں، اس کے بعد اُن آیات کی تشریح کرتے ہیں۔ قرآنی تفسیر میں اصولِ تفسیر کے مطابق قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ پیش کرتے

ہیں، جن کے حوالے بھی درج ہوتے ہیں، اسی طرح شانِ نزول کا بیان بھی اس تفسیر کی ایک خصوصیت ہے۔

''احسن البیان'' کا اسلوبِ بیان رواں ہے۔اس میں اردو زبان کے وہ الفاظ استعمال کیے ہیں جو عموماً علمی حلقوں میں رائج ہیں۔عربی فارسی کے غیر مانوس الفاظ نہ ہونے کے برابر ہیں۔بیانیہ اور خطابیہ انداز ہے، جس کی وجہ سے تکرار بھی محسوس ہوتی ہے۔یہ تکرار بھی تبلیغی اور اصلاحی حوالے سے اہمیت کی حامل ہے۔ نثری نمونہ ملاحظہ کیجیے:

> ''جب اللہ تعالیٰ کسی کو رزق میں وسعت اور کشادگی اور صحت وتندرستی سے نوازتا ہے تو وہ اس کو اپنی ذاتی صلاحیت، عقل وفہم اور سعی وعمل کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے، یہ تو اس کو ملنا ہی چاہیے تھا کیوں کہ وہ اس کے مستحق ہے، اگر وہ اللہ کے نزدیک مردود ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو نعمتیں اور یہ وسعت وفراخی اور صحت وتندرستی نہ دیتا، یہ دونوں باطل اور شیطانی خیالات ہیں۔حقیقت میں یہ وسعت وفراخی اور صحت وتندرستی اللہ کے نزدیک محبوب ومقبول ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔''۱۰۱

اس تفسیر کو زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی نے ۲۰۰۵ء میں شائع کیا۔

ڈاکٹر صاحب زادہ ابوالخیر محمد زبیر☆(۱۱) کی کتاب ''درسِ قرآن'' ۴۵ قرآنی آیتوں کی تفسیر ہے۔اس تفسیر کا محرک تو اُن سوالات کے جوابات دینا ہے جو مسلمانوں ہی کے مخصوص طبقوں کی جانب سے اللہ تعالیٰ، آپ ﷺ کی صفات، احادیث مبارکہ، صحابہ کرامؓ، اولیاے کرام کے کردار اور بدعات کے بارے میں اُٹھائے گئے ہیں۔''پیش لفظ'' میں اِن معترضین کی جانب اشارہ کرتے ہوئے صاحب زادہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

> ''اس زمانے میں بعض ایسے گروہ پیدا ہو گئے ہیں جو قرآن وحدیث کے خلاف نئے نئے نظریات وافکار ایجاد کر کے مسلمانوں میں افتراق وانتشار پیدا کر رہے ہیں۔اور اس طرح اسلام کو کم زور کرنے کی یہودی وصہیونی سازشیوں کے آلہ کار بَن رہے ہیں۔''۱۱۱

مصنف نے ان طبقات کو ظاہر کیے بغیر ہی اُن کے اعتراضات کو قرآنی آیات کی تفسیر کر کے مدلّل انداز میں ردّ کیا ہے، اس طرح یہ تفسیر علمی بحث ہے، بحث برائے بحث اور اعتراض برائے اعتراض نہیں ہے۔ آیتوں کی تفسیر کے مطالعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ انھیں تحریر کرنے کی ضرورت اس لیے بھی پیش آئی کہ معترضین نے اپنے عقائد اور نظریات کو پیش کرنے کے لیے قرآنی آیات اور احادیث کا سہارا لیا، جس سے عام مسلمانوں کے عقائد وخیالات تبدیل اور متزلزل ہوئے اور مزید ہونے کے امکانات تھے، اس لیے ان کے نظریات کے جوابات قرآن اور احادیث کی مدد سے دیے گئے ہیں۔''درسِ قرآن'' میں اُن قرآنی آیتوں کی تفسیر کی گئی ہے، جن میں معترضین کے سوالات کے جوابات دینے میں معاون ہیں، لیکن اُن قرآنی آیات اور

احادیث کا تذکرہ نہیں کیا گیا، جو معترضین نے اپنے نقطۂ نظر کے لیے بطورِ دلیل پیش کی ہیں۔ ڈاکٹر محمد زبیر کے اِس اسلوب سے یہ تفسیر بحث ومباحثے سے محفوظ ہوگئیں، یہی خانقاہی اسلوب ہے کہ کسی کی اصلاح مقصود ہو تو براہِ راست مخاطب کرنے کی بجائے، اپنا نقطۂ نظر مدلّل انداز میں پیش کر دیا جائے، تاکہ دیگر نظریے کے حامل افراد اُس پر غور وفکر کر سکیں۔ کتاب میں ہر آیت کو علاحدہ جزو بنا کر اس کی شرح کی گئی ہے۔

صاحب زادہ ابوالخیر محمد زبیر نے ''درسِ قرآن'' میں جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ کچھ اس نہج پر ہے کہ اوّل قرآن کی آیت مع حوالہ اور اردو ترجمے کے تحریر کی ہے۔ اس کے بعد مختصر تفسیر پیش کی ہے، پھر فائدے اور سبق کے عنوان سے نتائج کو علاحدہ علاحدہ نکات کی صورت میں بیان کیا ہے، جس سے بات واضح انداز میں قاری تک پہنچتی ہے۔ قرآن کی تفسیر کے لیے؛ اُس طریقے کو ترجیح دی گئی ہے، جس کا ذکر تفسیر ابنِ کثیر میں کیا گیا ہے یعنی پہلے قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کی جائے، پھر احادیث نبوی ﷺ کی مدد سے۔ ان دو بنیادی ذرائع کے علاوہ دیگر تفاسیر سے بھی استفادہ کرنے کے ساتھ منطقی انداز بھی اپنایا ہے۔ مثلاً سورہ النسا کی آیت ۸۷ کی تفسیر ملاحظہ کیجیے، جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

> ''اللہ ہے اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ وہ ضرور تمھیں جمع کرے گا قیامت کے دن، جس میں کوئی شک نہیں اور کون ہے جس کی بات اللہ کی بات سے زیادہ سچّی ہوگی۔''

فائدے کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

> ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچّا کوئی نہیں، کیوں کہ دنیا میں اگرچہ بہت سے لوگ سچّے، وہ جھوٹ بولتے نہیں لیکن جھوٹ بول تو سکتے ہیں۔'' ان کا جھوٹ بولنا ممکن تو ہے، وہاں جھوٹ کا امکان تو پایا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچّا ہے اور وہ اتنا سچّا ہے کہ وہاں جھوٹ کا امکان ہی نہیں۔ اس کا جھوٹ بولنا ممکن ہی نہیں ہے۔''[۱۲]

اس نکتے کی دلیل سورہ الانعام کی ۲۱ ویں آیت سے دی ہے۔ جس کا ترجمہ ہے:

> ''اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے، بے شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔''[۱۳]

اسی طرح ۲۷ ویں نمبر پر درج سورہ یونس کی ۵۸ ویں کی آیت کا ترجمہ دینے کے بعد فرماتے ہیں۔

> ''اِس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دے رہا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت'' کے ملنے پر خوشیاں مناؤ۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کے فضل اور رحمت سے یہاں کیا مراد ہے۔۔۔؟ تو آیئے قرآن حکیم سے ہی پوچھتے ہیں۔ ارشادِ ربّ العزت ہے۔ **فلولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لکنتم من الخسرین** [سورۃ البقرۃ ۲:۶۴] مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں فضل اور رحمت سے حضور ﷺ

کی ذاتِ گرامی مراد ہے اور اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے، اگر حضور ﷺ کی صورت میں تم پر اپنا فضل اور رحمت نہ کرتا تو تم تباہ و برباد ہو جاتے۔ دوسرے مقام پر اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ خود حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا: وما ارسلنک الا رحمة للعالمین (سورہ الانبیا ۲۱:۱۰۷)''۱۱۴

کتاب میں مذکورہ بالا دونوں سورتوں کے نام نہیں دیے گئے۔ یہ راقم نے درج کیے ہیں۔ ۲۵ ویں اور ۲۶ ویں نمبر پر درج سورہ النسا کی ۶۴ ویں، سورہ البقرہ کی ۲۴۸ ویں اور دیگر آیات کی تفسیر میں احادیث کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی تفسیر میں شانِ نزول کی بہت اہمیت ہے۔ مذکورہ کتاب میں مفسر نے کچھ آیات کی تفسیر کے لیے شانِ نزول کو بھی بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر کتاب میں شامل ۲۳ ویں، ۳۱ ویں نمبر پر بیان کردہ سورۃ النسا کی ۶۵ ویں اور سورۃ الفتح کی ۱۸ ویں آیات کی تفسیر میں ابوالخیر محمد زبیر صاحب نے شانِ نزول کو بیان کیا ہے۔ پھر اِن کی تفسیر فرمائی ہے۔ تفسیر میں آیات کے اُنھیں پہلوؤں کو ترجیح دی گئی ہے جن سے کتاب کے مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ اُن مقاصد کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ بعض آیتوں کی تفسیر میں فوائد کے تحت چار اور پانچ نکات کو بھی بیان کیا گیا ہے، جنھیں ۲۷ ویں ۱۱۵ اور ۳۱ ویں نمبر ۱۱۶ پر آیات کی تفسیر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مذکورہ تفسیر کا اسلوب منطقی اور مدلّل ہے کیوں کہ اس کا مقصد ہی اعتراضات کا ردّ کرنا تھا۔ جس کے لیے یہ اسلوب ہی کارگر اور مفید ہو سکتا تھا۔ انبیا اور اولیا کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں؛ گناہوں کا نبیوں سے صادر ہونا ناممکن اور محال ہے۔ یہ آیت انبیا کے معصوم ہونے پر دلالت کرتی ہے، جب کہ اولیا سے گناہ ہو تو سکتے ہیں مگر سرزد نہیں ہوتے، یعنی یہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں، اس لیے نبی گناہوں سے معصوم اور ولی گناہوں سے محفوظ ہوتا ہے۔ اس نکتے کے لیے سورہ البقرہ کی ۱۲۴ ویں آیت اور اس کا ترجمہ دیا ہے۔ ترجمہ: ''کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا'' اور نبوت سے بڑا عہد ہو نہیں سکتا، جس نے نبوت کو پالیا، اس سے گناہ نہیں ہو سکتا کیوں کہ گناہ گار اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے، اسی طرح اگر نبی (نعوذ باللہ) گناہ کرے تو وہ خود ہدایت پر نہیں رہے گا، تو لوگوں کو سیدھا راستا کس طرح دکھائے گا۔ ۱۱۷ یہ اسلوب پوری کتاب میں واضح دکھائی دیتا ہے۔

تفسیری نکات کی تفہیم کے لیے واقعات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ مُردوں کو مرنے کے بعد دعائیں، صدقات خیرات اور حج وغیرہ کے ایصالِ ثواب کی دلیل میں محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب ''تحذیر الناس'' سے واقعہ پیش کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کشف میں دیکھا کہ اس کی ماں دوزخ میں ہے، پھر اُس کے مرشد حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک روایات پر عمل کر کے ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھ کے ثواب اُس کی ماں کو بخش دیا، جس کے بعد مرید نے اپنی ماں کو جنّت میں دیکھا، اِس کے بعد حضرت جنید کو یقین ہو گیا کہ یہ

روایت صحیح ہے گویا سوئم کے موقع پر ایک لاکھ پچیس ہزار کلمہ کا چنوں پر پڑھنا جائز ہے۔

ابوالخیر محمد زبیر نے ''درسِ قرآن'' میں موقع کی مناسبت سے اردو اشعار جا بجا تحریر کیے ہیں۔ چند ایک عربی اور فارسی اشعار بھی دیے ہیں، ان میں عربی اشعار کے ترجمہ بھی درج کیے ہیں ۱۱۸ جب کہ مولانا رومؒ اور اقبال کے فارسی شعروں ۱۱۹ کا ترجمہ نہیں دیا ہے۔ بیش تر اشعار میں شاعروں کے نام نہیں دیے گئے۔ ویسے اِن اشعار سے باذوق قاری واقف ہیں۔ اُن اشعار کے شاعروں میں علامہ اقبالؒ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضاؒ اہم ہیں۔ یہ اشعار صفحہ ۲۶، ۲۷، ۶۰، ۶۵، ۸۹، ۹۱، ۹۷ اور دیگر صفحات پر ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

''درسِ قرآن'' میں شامل آیتوں کی تفسیر میں تحقیقی رنگ دکھائی دیتا ہے۔ قرآن، احادیث، تفاسیر اور اکابرین کی جن کتب سے استفادہ کیا ہے، بیش تر مقامات پر ان کے حوالے دیے گئے ہیں، کہیں یہ حوالے تفصیل سے ہیں اور کہیں نامکمل۔ ''درسِ قرآن'' کو ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور نے ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔

خواجہ شمس الدین عظیمی ☆(۱۲) کی لکھی ہوئی تفسیر ''روشنی'' میں سورہ فاتحہ کی تفسیر کے علاوہ صرف انتساب ہے جو ''نوعِ انسانی کے نام'' ہے۔ کتاب کی اشاعتی صورت سے پتا چلتا ہے کہ یہ تفسیر ناشر نے اپنے طور پر مختلف کتب اور روحانی ڈائجسٹ سے لوازمہ لے کر شائع کی ہے۔ آغاز میں سورۃ فاتحہ کے ایک ایک لفظ کے علاحدہ علاحدہ اردو معنی دیے گئے ہیں، پھر ہر آیت کی مکمل عربی عبارت اور مکمل معنی دیے گئے ہیں۔ دیکھیے:

مٰلِکِ	مالک ہے مختار ہے
یَوْمِ	دن۔ یوم
الدِّیْنِ	جزا اور سزا کا دن (عملوں کے مطابق بدلے کا دن)
مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○	مالک ہے جزا اور سزا کے دن کا

اس طرح پوری سورۃ کا ترجمہ دینے کے بعد ایک مرتبہ پوری سورۃ فاتحہ کی عربی عبارت دے کر اس کا مکمل ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ ۱۲۰ یہ پورا ترجمہ خواجہ شمس الدین عظیمی کی کتاب ''روحانی نماز'' سے اخذ کیا گیا ہے ۱۲۱ مگر کس ایڈیشن سے لیا گیا ہے، اس کا تذکرہ نہیں۔ راقم کے پاس جو ایڈیشن ہے، اس پر یہ ترجمہ ص ۱۱۹ اور ۱۲۰ پر موجود ہے ۱۲۲ پھر جو ترجمہ آیتوں کا علاحدہ علاحدہ دیا گیا ہے اور اس مکمل ترجمے میں بھی الفاظ کا فرق ہے، ممکن ہے یہ لفظی ترجمہ کسی اور کی کاوش ہو یا کسی اور ترجمے سے ماخوذ ہو۔ کتاب میں اس کی کوئی وضاحت نہیں دی گئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ خانقاہوں میں جدید تحقیقی انداز میں کتب شائع کرنے کے رجحانات بہت کم ہیں، لیکن مرورِ ایام کے ساتھ اس میں بہتری آ رہی ہے۔

''صراطِ مستقیم'' کی تفسیر میں آپ نے اِسے طریقت کا راستا قرار دیا ہے، جس سے عرفان الٰہی حاصل

ہوتا ہے، ساتھ ہی انعام پانے والے اور غضب کے مستحق افراد کی تشریح بھی بیان کر دی ہے، اس کے ساتھ عرفان الٰہی کی اہمیت کو ''گواہی دینے'' کی لازمی شرط قرار دیا، یعنی اللہ کی گواہی دینے کے لیے اس کی معرفت لازمی ہے کیوں کہ بغیر دیکھے گواہی کا عمل درست نہیں ہوتا۔ صوفیانہ یا روحانی تشریح کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ خوب سے خوب تر کی جستجو کرتے ہیں جو عموماً تفاسیر میں نہیں ہوتی۔ اسی لیے خواجہ شمس الدین عظیمی نے اپنی کتاب ''روحانی نماز'' میں اُن پہلوؤں پر زور دیا ہے جو نماز کا اصل مقصود ہے، یعنی عرفانِ الٰہی۔ اس کتاب میں آپ نے آپ ﷺ، صحابہ کرامؓ اور اولیا کی نمازوں کی مثالیں دی ہیں۔ تفسیر کا یہ جز و خواجہ شمس الدین عظیمی کی کتاب ''توجیہات'' سے اخذ کردہ ہے۔ ۱۲۳ صراطِ مستقیم کی مزید تفسیر میں اسے ایک طرزِ فکر قرار دیا، پھر دو طرزِ فکر رحمانی اور شیطانی کا ذکر کر کے ان کی تعریف بیان کی ہے، پھر انھیں طرزِ فکر کو معاشرتی ربط دے کر لکھا ہے کہ انھیں سے قوموں کا عروج و زوال آتا ہے۔ جو قومیں شیطنت اختیار کرتی ہیں، وہ ذلیل و رسوا ہوتی ہیں۔ ۱۲۴ اس کے بعد حکیم محمد سعید کی تحریر جو ''قرآن مقصد و منہاج'' کے ص ۱۱۲ کا حوالہ دیا ہے جس کا تعلق قیامِ پاکستان اور اس کے حالات سے ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ ملکِ پاکستان قرآنی حکومت کے قیام کے لیے وجود میں آیا تھا مگر افسوس اس کی تعلیمات کو بھلا کر آج کفر کا نام اسلام رکھ دیا ہے، آخر میں شیطانی طرزِ فکر سے بچنے اور رحمانی طرزِ فکر کو اختیار کرنے کے لیے نسخہ بھی بیان فرما دیا، کہ دونوں طرزِ فکر کے نمائندے یعنی فرشتے اور شیطان اپنے خیالات ہمیں قبول کرنے کو دیتے ہیں، ہمیں رحمانی فکر کو اپنانا چاہیے۔ اس کے لیے یہ شعور ہونا ضروری ہے کہ ہم خیالات میں تمیز کر سکیں کہ کون سے رحمانی اور کون سے شیطانی ہیں۔ تفسیر میں یہ بھی بتا دیا کہ رحمانی طرزِ فکر کے لوگ مذہب و ملّت سے بالاتر ہو کر نوعِ انسانی سے محبت کرتے ہیں اور ان کی فلاح بہبود کے لیے کام کرتے ہیں۔ ۱۲۵

پیش کش کے حوالے سے کئی پہلو اصلاح طلب ہیں۔ پہلی آیت میں لفظ ''عالمین'' کا ترجمہ کتابت کی خامی کے سبب رہ گیا ہے۔ اشاعت کی کوئی تفصیلات نہیں دی گئی ہیں، اس تفسیر میں قرآنی آیات کے ترجمے دلیل کے طور پر دیے گئے ہیں مگر سورۃ اور آیات کے حوالے نہیں دیے گئے۔ بعض مقام پر قرآنی آیت کا ترجمہ دیا گیا ہے، مگر یہ بھی تحریر نہیں کیا گیا کہ یہ کس قرآنی آیت کا ترجمہ ہے۔ ''یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں مگر ابھی تو ان کے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا۔'' ۱۲۶ یہ سورت حجرات: آیت ۱۴ کا مفہوم ہے۔ کتاب کے سرِ ورق پر بھی مفسرِ سورہ کا نام نہیں دیا گیا ہے جو پیشکش کی خامی ہے۔

کتاب کا اسلوب انتہائی سادہ اور پُر اثر ہے۔ جملے مختصر اور اندازِ بیان مدلل ہے۔ اس لیے ذہن بآسانی قبول کر لیتا ہے۔ بات کی تفہیم کے لیے مثالوں کا بھی استعمال کیا گیا ہے، جس میں تاثیر کے ساتھ طنز کا پہلو بھی موجود ہے جو انسانی ضمیر کو جھنجوڑنے اور بیدار کرنے کے لیے کارگر ہے، مثلاً یہ کہنا کہ کسی شیر نے شیروں کو ختم

کرنے کے لیے ہتھیار نہیں بنائے، جب کہ انسان نے یہ کام کیے۔ کتے کی خصلت ہوتی ہے کہ وہ اپنی نوع کو برداشت نہیں کرتا، یہی حال انسان کا ہے۔ ۱۲۷ اسلوب ملاحظہ کریں۔

''اسلام لانا الگ چیز ہے اور ایمان دل میں داخل ہونا الگ چیز ہے۔ آپ دن میں کتنی بار دوسرا کلمہ پڑھتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے گواہی دینا۔ کیا آپ بغیر دیکھے گواہی دے رہے ہیں۔ جھوٹی گواہی دے رہے ہیں۔ آپ کی یہ دنیاوی اعتبار سے تو بغیر دیکھے گواہی تسلیم نہیں کی جاتی ہے۔ یہ دنیوی معاملات بغیر دیکھے گواہی کے عدالت تسلیم نہیں کرتی تو اللہ آپ کی گواہی کو کیسے تسلیم کرے گا۔'' ۱۲۸

سورہ فاتحہ کی تفسیر ''روشنی'' عظیمیہ روحانی لائبریری، لاہور سے شائع ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب زادہ فرید الدین قادری کی ''سورۃ الحجرات'' کی تفسیر کے محرکات کا اندازہ 'عرض ناشر' سے معلوم ہو جاتا ہے، جو خود مفسر ہی کا تحریر کردہ ہے۔ سب سے پہلے تو یہ تفسیر مریدین اور معتقدین کے سامنے ''درسِ جمعہ'' میں پیش کی گئی۔ جن افراد نے اس تفسیر کو سماعت فرمایا اور جن کے قلوب پر اِس کے اثرات مرتب ہوئے۔ انھوں نے اسے کتابی صورت میں لانے کی فرمائش کی۔ اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ سورۃ الحجرات بی۔اے، بی۔کام، بی۔ایس سی اور ہوم اکنامکس کے نصاب میں شامل ہے؛ اس لیے طلبا کی نصابی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اِسے شائع کیا گیا۔

سورۃ الحجرات چھبیسویں پارے کی اُنچاس ویں مدنی سورت ہے، جس میں اٹھارہ (۱۸) آیات ہیں۔ ابتدا میں پہلی آیت کا ترجمہ و تفسیر اور مرکزی خیال پر اختصار سے بحث کی گئی ہے، یعنی آدابِ بارگاہِ نبی ﷺ۔ مفسر کے نزدیک اس ادب کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ ادب کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ ''باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب''۔ یہ مقولہ مشرقی روایات اور بالخصوص خانقاہی نظام کی روح ہے، بعد ازاں عربی عبارت اور ترجمہ دیا گیا ہے، پھر اس کی تفسیر کی گئی ہے، جس میں ایک جیسے لفظوں کے معنوی فرق کی وضاحت کی گئی ہے، جس سے مصنف کی زبان پر گرفت کا پتا چلتا ہے۔ ترجمے میں آنے والے الفاظ (لاتقدموا) ''آگے مت بڑھو' بظاہر ایک منفی پہلو ہے کہ دنیا میں روحانی معاملات ہوں یا دنیاوی، علمی ہوں یا معاشی ہر بہتر معاملے میں انسان کو آگے بڑھنے کی ترغیب دی جاتی ہے مگر مذکورہ آیات میں کہا گیا ہے کہ آگے مت بڑھو، اسی طرح آیت میں شامل الفاظ ''وتقوا اللہ'' کی تفسیر میں بھی زبان و بیان کے پہلو پیش کیے ہیں، اِن آیات کی تفسیر میں ادب اور حکم کے فرق کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ حکم ادب سے افضل ہے۔ آپ نے تفسیر میں اس نقطۂ نظر کو بھی نامناسب قرار دیا ہے جس کے تحت کہ دنیاوی ترقی نہیں کرنی چاہیے، جدیدیت کو نہیں اپنانا چاہیے۔ اُن کا نقطہ نظر یہ کہ جدیدیت جائز ہے، مگر کتاب و سنت کی پابندی کے ساتھ۔

اس تفسیر میں کئی سماجی اور معاشرتی معاملات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے، ایک تو یہ کہ ہمارے معاشرے میں حق کا ساتھ عمومی طور پر نہیں دیا جاتا، بلکہ عزیز واقربا، دوست، احباب اور طاقت ور افراد کی حمایت کی جاتی ہے۔ چاہے وہ ناحق ہو، اس وجہ سے معاشرے میں بگاڑ بڑھتا جارہا ہے۔ ۱۲۹ جب کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ۱۳۰

ڈاکٹر صاحب زادہ فریدالدین قادری کا تفسیری اسلوب تفہیمی انداز لیے ہوئے ہے۔ اس کے لیے صحابہ کرامؓ اور اکابرین کے واقعات کو مثال میں پیش کیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے واقعات ص ۱۷ پر اور اکابرین کے لیے ص ۱۰، ۱۱، ۴۹ ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ جیسے مولانا رومؒ نے بیان کیا ہے کہ شیر اور شیر ایک ہی طرح سے لکھے جاتے ہیں مگر شیر انسان کو کھا جاتا ہے اور انسان شیر کو ہضم کر جاتا ہے۔ یہ بات اُن مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے تحریر کی ہے جو جذبات اور عاقبت نااندیشی کے سبب حضور اکرم ﷺ کو اپنا جیسا بیان کر جاتے ہیں۔ حسب موقع اردو اور فارسی شعر بھی پیش کیے ہیں۔ ص ۱۲، ۲۷، ۴۷، ۷۵ وغیرہ پر اردو اشعار ہیں، جس سے اسلوب میں ایک ادبی رنگ پیدا ہوگیا ہے۔ مجموعی طور پر عام فہم اور روزمرہ زندگی میں استعمال ہونے والے الفاظ تفسیر کی زینت بنے ہیں۔ اسلوب میں خانقاہی اور خطیبانہ انداز نمایاں ہے، کیوں کہ یہ تفسیر اولاً تقریری انداز میں مریدین اور عقیدت مندوں کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ دو مثالیں ملاحظہ کیجیے:

> ''جہاں علم کا سوال ہے، جہاں تعلیم کا معاملہ ہے، جہاں عبادات کا معاملہ، جہاں ریاضت کا معاملہ، وہاں تو آگے بڑھنا ارتقا کے معنوں میں ہے۔ ترقی کے معنوں میں ہے۔۔۔ اب دیکھیے سارے مسلمان آپس میں سگے رشتہ داری والے تو نہیں ہیں ہر ایک کا رشتہ کوئی خونی قرابت کا تو نہیں ہے، زبان بھی الگ ہوتی، رنگ بھی الگ ہے، قد وقامت بھی الگ ہوتی ہے، وطن بھی الگ ہوتا، مزاج بھی الگ ہوتا ہے اور معاملات بھی الگ ہوتے ہیں۔'' ۱۳۱

ڈاکٹر صاحب زادہ فریدالدین قادری کی ''سورۃ الحجرات'' کی تفسیر قادری پبلی کیشنز کراچی سے پہلی مرتبہ ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی۔

سید شاہ تراب الحق قادری ☆ (۱۳) کی تحریر کردہ ''تفسیر سورۃ فاتحہ'' ایک مفصل اور جامع تفسیر ہے۔ جس میں تفاسیر کے رائج اصولوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ اوّل زیرِ تفسیر سورہ کا تعارف اور اسما بیان کیے ہیں۔ پہلے شانِ نزول درج کیا ہے پھر اس کی آیتوں کی تعداد پر دو نقطۂ نظر تحریر کیے ہیں، کیوں کہ یہ سورت قرآن کی پہلی سورت ہے، اس لیے قرآن کی تلاوت کے آغاز کا ذکر بھی کیا ہے کہ تلاوتِ قرآن سے پہلے تعوذ پڑھنے کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ سنت عمل ہے۔ بعد ازاں سورہ فاتحہ کے سات مشہور نام مع اردو ترجمہ بیان کیے ہیں، جس سے

زیر بحث سورت کی صفات کا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً ام القرآن: قرآن کریم کے مضامین کا خلاصہ اور ماخذ، سبع ثانی: بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں وغیرہ ۱۳۲ بعد ازاں اس سورت کے فضائل کو اختصار سے بیان کیا ہے۔ سورۃ فاتحہ کو ''ام القرآن'' کہنے کی وجہ تسمیہ بھی اس تفسیر کے آغاز میں بیان کی گئی ہے۔

''تفسیر سورۃ فاتحہ'' میں پہلے لفظ کے معنوں پر بحث کی گئی ہے اور اس کی تشریح و تفسیر، قرآن سے کی گئی ہے، پھر اس لفظ کی معنویت کو قرآن کے مختلف مقامات سے تفہیم کیا گیا ہے، پھر احادیث سے استنباط کیا گیا ہے، خود صاحبِ مفسر نے لفظوں کو گہرائی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی ہے، جس سے سورۃ فاتحہ کے جزو کی معنوی تہہ داری نمایاں ہوئی ہے، مثلاً ''رب العالمین'' کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ

> ''رب کے معنی ہیں ''تربیت و پرورش کرنے والا''۔ کسی چیز کو اس کی فطری صلاحیت اور استعداد کے مطابق آہستہ آہستہ درجہ کمال تک پہنچانے کو تربیت کہتے ہیں۔ عقل و شعور کی روشنی میں غور و فکر کیا جائے تو یہ حقیقت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے، کہ کوئی چیز خود بخود عدم سے وجود میں نہیں آتی، کوئی شے بھی بغیر بنانے والے کے وجود میں نہیں آسکتی، لہٰذا کائنات کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ اسے ضرور کسی نے پیدا کیا ہے۔'' ۱۳۳

پھر اس بارے میں قرآن کی کی سورہ طور کی آیت ۳۵، ۳۶ کا ترجمہ دیا ہے۔ قرآن کے تمام ترجمے امام احمد رضا خاں ؒ کے کنز الایمان سے اخذ کیے گئے ہیں، مگر شاہ تُراب الحق قادری نے ان تراجم کو من و عن نہیں لیا بلکہ اس میں معنوں کو مزید واضح کرنے کے لیے قوسین میں لفظوں کا اضافہ کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے: ''کیا وہ کسی اصل (یعنی نطفہ) سے نہ بنائے گئے یا وہی (خود کو) بنانے والے ہیں؟ یا آسمان اور زمین انھوں نے پیدا کیے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ انھیں (اللہ کی خالقیت و قدرت کا) یقین نہیں'' ۱۳۴

شاہ تراب الحق قادری کی تفسیر میں عشق رسول ﷺ کی جھلک بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ؒ نے ایک مقالہ بعنوان ''ہمہ قرآن در شان محمد ﷺ'' تحریر کیا تھا جو بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوا، اس میں قرآن کی تقریباً تمام سورتوں میں نعت اور حضور ﷺ کے ذکر کا کوئی نہ کوئی پہلو تلاش کیا تھا، اسی طرح زیر بحث تفسیر میں مفسر نے حضور ﷺ کی کئی صفات کو قرآن و احادیث سے ثابت کیا ہے۔ مثلاً حضور مومنوں کے مالک ہیں، حضور مالکِ شریعت ہیں، وسیلہ رسالت ایمان کی بنیاد، عقیدہ حیات النبی ﷺ، عید میلاد النبی ﷺ، کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا وغیرہ۔ مصنف نے صرف حوالے دے کر اپنی بات کو پیش نہیں کیا بلکہ خود نے بھی ایسے دلائل دیے ہیں، جو ذہن کو متاثر کرتے ہیں۔

کتاب میں تفسیر کے علاوہ کوئی تحریر نہیں ہے۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکے کہ کتاب کے محرکات کیا تھے یا صرف رضائے الٰہی کے لیے اور عوام تک اللہ کے پیغام کو پہنچانے کے لیے یہ تفسیر تحریر کی گئی ہو۔ کتاب کا اسلوب

اور اندازِ بیان بہت سادہ ہے اور تصنع سے پاک ہے۔ ایک روانی ہے جو بہت کم تحریروں کے حصے میں آتی ہے۔ تفسیر میں جو قرآنی آیات اور احادیث پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سے بیش تر کے حوالے دیے گئے ہیں۔ جس سے شاہ تراب الحق قادری کے تحقیقی ذوق کا پتا چلتا ہے۔ اسلوب کا نمونہ ملاحظہ کیجیے۔ ''صراطِ مستقیم کیا ہے؟'' کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''صراط مستقیم سے مراد اسلام یا قرآن یا خلق نبی کریم ﷺ یا حضور ﷺ کے آل واصحاب ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم اہلِ سنت کا راستہ ہے جو اہلِ بیت واصحاب اور سنت وقرآن اور سواد اعظم سب کو مانتے ہیں۔ (خزائن العرفان) الصراط المستقیم'' رسول کریم ﷺ کا اسمِ مبارک بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی پہچان اگلی آیت میں یہ ارشاد فرمائی۔ ''راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیے۔'' یعنی صراطِ مستقیم کی پہچان اگلی آیت میں یہ ارشاد فرمائی ''راستہ ان کا جن پر تُو نے احسان کیا۔'' یعنی صراط مستقیم وہی راستہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندے چلتے رہے ہیں۔ یہ انعام یافتہ بندے کون ہیں؟ ان کے متعلق فرمایا گیا۔ ''انبیا اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔'' (النسا:۶۹، کنز الایمان) ۱۳۵

شاہ تُراب الحق کی اس تفسیر کو زاویہ پبلشرز لاہور نے پہلی مرتبہ ۲۰۱۰ء میں شائع کیا۔

الغرض سندھ کی خانقاہوں میں اردو کی مختلف نثری اصنافِ ادب پر وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ ان میں قرآن فہمی اور قرآنی موضوعات پر مشتمل کتب خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان میں جامع اور مفصل مکمل قرآنی تفاسیر کے ساتھ قرآن کے سیپاروں اور سورتوں پر مشتمل تفاسیر بھی ہیں۔ قرآنی موضوع اور قرآنی الفاظ کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ مشائخ سندھ نے قرآن فہمی کے لیے مختلف اسلوب اختیار کیے ہیں، ۔ اِن میں دو رجحانات نمایاں نظر آتے ہیں۔ اوّل خانقاہی ادب کا قدیم مزاج، جس میں علمی و تحقیقی مزاج نہ ہونے کے برابر تھا۔ زیادہ توجہ اصلاحی پہلو پر ہوتی تھی۔ اس اندازِ اسلوب کی حامل کتب میں کتاب کی اشاعتی تفصیل بھی نہیں ہوتی۔ دوّم علمی اور تحقیقی اسلوب کی حامل کتب۔ موجودہ دور میں خانقاہوں سے وابستہ افراد میں تیزی سے تحقیقی اور علمی اسلوب فروغ پا رہا ہے۔ سندھ کی خانقاہوں میں تحریر کردہ قرآن فہمی پر کتب کا مطالعہ اسلامی تعلیمات کی درست تفہیم کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ ان تفاسیر میں عارفانہ اور عاشقانہ رنگ کے ساتھ فقہی مسائل پر عالمانہ اور مدلل مباحث بھی ملتے ہیں۔ ان تفاسیر میں سے بیش تر کا اسلوب عام فہم ہے تو کہیں کہیں علمی اندازِ تحریر اختیار کیا گیا ہے مگر ان میں ادبیت کا پہلو موجود ہے۔ ان کتب کی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ سندھ کے مشائخ نے مسلکی اور اختلافی پہلوؤں کو نظر انداز کیا ہے۔ اگر چند ایک مواقع پر کچھ پہلوؤں کو زیرِ بحث لایا بھی گیا ہے تو اُن میں علمی اور دھیما انداز برتا ہے۔ اس انداز میں کہیں کسی گروہ کا نام نہیں لیا گیا ہے، یہی وہ اندازِ اسلوب

ہے جو خانقاہی ادب کا خاصا ہے جو رواداری کا درس دیتا ہے۔ موجودہ بے برداشت معاشرے میں اس کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حواشی:

۱۔ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی: ''مصباح اللغات''، لاہور، اسلامی اکادمی، ۱۹۸۸ء، ص ۶۳۳

۲۔ امام راغب اصفہانی: ''مفردات القرآن''، مترجم: فیروز پوری، محمد عبدہٗ، جلد دوم، لاہور، اسلامی اکادمی، ۱۹۸۷ء، ص ۷۹۹

۳۔ عبدالمجید بی۔اے: ''جامع اللغات''، لاہور، اردو سائنس بورڈ، طبع اوّل، ۱۹۸۹ء، ص ۶۱۳

۴۔ لابن منظور: لسان العرب، ج ۲، ص ۳۶۱

۵۔ ابوحیان: البحر المحیط، جلد ۱، ص ۳۔

۶۔ غلام احمد حریری: ''تاریخ تفسیر و مفسرین''، فیصل آباد، ملک سنز پبلشرز، بار ششم، ۱۹۶۶ء، ص ۱۲

۷۔ بحوالہ جمیل نقوی: ''اردو تفاسیر کتابیات''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع اوّل، ۱۹۹۲ء، ص ۹

۸۔ جمیل نقوی: ''اردو تفاسیر کتابیات''، ص ۱۰

۹۔ بحوالہ غلام احمد حریری: ''تاریخ تفسیر و مفسرین''، ص ۱۳

۱۰۔ خلیق احمد نظامی: ''تاریخ مشائخ چشت''، لاہور، مشتاق بک کارنر، سنہ ندارد، ص ۲۶

۱۱۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، 'مسلمانوں کا علم و ادب برصغیر میں': مشمولہ ''ہمارا علم و ادب''، حیدرآباد، المصطفیٰ علمی مرکز، ۱۹۹۸ء، صفحہ ۶۲۔

۱۲۔ شبیر احمد عثمانی: ''تفسیرِ عثمانی''؛ اشاعتِ ثانی، فروری، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۷ء، ص ۵۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۔

۱۴۔ شبیر احمد عثمانی: ''تفسیرِ عثمانی''؛ ص ۴۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۷۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۶۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۲۴۷۔

۱۸۔ مفتی محمد شفیع: ''معارف القرآن''، جلد اوّل، کراچی، ادارۃ المعارف، طبع جدید، ۱۹۸۵ء، ص ۶۹۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۶۹۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۴۵۰۔

۲۱۔ مفتی محمد شفیع: ''معارف القرآن''، جلد ۷، ص ۲۷۔

۲۲۔ مفتی محمد شفیع: ''معارف القرآن''، جلد ۸، ص ۲۵۶۔

۲۳۔ ایضاً،ص ۲۶۳۔
۲۴۔ مفتی محمد شفیع: ''معارف القرآن''، جلد۱،ص۹۴۔
۲۵۔ ایضاً،ص۱۸۶۔
۲۶۔ ایضاً،ص۲۲۰۔
۲۷۔ ایضاً،ص۶۳
۲۸۔ ایضاً،ص۶۶۔
۲۹۔ ایضاً،ص۶۸۔
۳۰۔ ایضاً،ص۱۳۹۔
۳۱۔ مفتی محمد شفیع: ''معارف القرآن''، جلد پنجم،ص ۱۰۵
۳۲۔ محمد زین العابدین شاہ راشدی: ''انوارِ علمائے اہلِ سنت''، لاہور، زاویہ پبلشرز، بار اوّل، ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۳۵۔
۳۳۔ سید یوسف علی چشتی: ''مبشّراتِ حق آیات''، کراچی، شعبۂ نشر و اشاعت دارالعلوم عزیزیہ سلیمانیہ، طبع دوم، ۱۹۸۷ء، ص ۸
۳۴۔ ایضاً،ص۳۵۔
۳۵۔ ایضاً،ص۳۳،۳۴۔
۳۶۔ ایضاً،ص۲۴۔
۳۷۔ ایضاً،ص۸۲۔
۳۸۔ ڈاکٹر مسرور احمد زئی: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، حالات، علمی و ادبی خدمات''، حیدرآباد، ادارہ انوارِ ادب، طبع اوّل، ۲۰۰۶ء، ص ۵۷۶۔
۳۹۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں: ''مطالب القرآن''، کراچی، زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۹۔
۴۰۔ ایضاً،ص۱۵۴۔
۴۱۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد: ''آخری پیغام''، کراچی، ادارہ مسعودیہ، اشاعت دوم، ۲۰۰۴ء، ص ۱۵۔
۴۲۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد: ''آخری پیغام''، کراچی، سرہندی پبلی کیشنز، اشاعت اوّل، ۱۹۸۶ء، ص ۱۳۔
۴۳۔ ایضاً،ص۱۵۔
۴۴۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد: ''آخری پیغام''، اشاعت دوم، ۲۰۰۴ء، ص ۱۵۔
۴۵۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد: ''آخری پیغام''، ایڈیشن اوّل، ص ۱۶۔
۴۶۔ ایضاً،ص۱۴۔
۴۷۔ ایضاً، ایڈیشن اوّل، ص ۱۴۔
۴۸۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد: ''آخری پیغام''، اشاعت دوم، ۲۰۰۴ء، ص ۵۹
۴۹۔ ایضاً،ص۵۹۔

۵۰ ایضاً،ص۵۹۔
۵۱ ایضاً،ص۵۹،۶۰۔
۵۲ ایضاً،ص۷۶۔
۵۳ ایضاً،ص۷۹۔
۵۴ ایضاً،ص۱۵۰۔
۵۵ ایضاً،ص۵۸۔
۵۶ سورہ ص،۲۹:۳۸۔
۵۷ سید فضل الرحمٰن، :''معجم القرآن''،کراچی،زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز،طبع سوم،۲۰۰۸ء،ص۲۰۔
۵۸ ایضاً،ص۲۱۔
۵۹ ایضاً،ص۱۹۸۔
۶۰ ایضاً،ص۱۹۸۔
۶۱ ایضاً،ص۱۹۸۔
۶۲ ایضاً،ص۲۳۵۔۲۳۶۔
۶۳ ایضاً،ص۲۳۳۔
۶۴ ایضاً،ص۲۷۳۔
۶۵ ایضاً،ص۳۲۰۔
۶۶ ایضاً،ص۱۱۔
۶۷ ایضاً،ص۵۔
۶۸ خرم مراد:''احسان کا صحیح اصلاحی تصور''،منصورہ،منشورات لاہور،طبع اوّل،۲۰۰۷ء،ص۲۷۔
۶۹ شاہ مفتی محمد محمود الوری:''تفسیرِ محمودی''،پارہ عمّ،حیدرآباد،رکن الاسلام پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء،ص۳۴۔
۷۰ ایضاً،ص۳۶۔
۷۱ ایضاً،ص۱۰۔
۷۲ ایضاً،ص۱۸۔
۷۳ ایضاً،ص۱۱۲۔
۷۴ ایضاً،ص۱۔
۷۵ ایضاً،ص۴۹۔
۷۶ ایضاً،ص۵۰۔
۷۷ ایضاً،ص۱۸۸۔

۷۸۔ ایضاً،ص۵۴۔
۷۹۔ محمد زین العابدین شاہ راشدی: ''انوارِ علمائے اہلِ سنت''،ص۱۰۵۱تا۱۰۵۴۔
۸۰۔ عبدالمصطفیٰ الازہری: ''تفسیر ازہری''،کراچی،دارالعلوم امجدیہ،سنہ ندارد،ص۲۰۲
۸۱۔ ایضاً،ص۳۸۶،۳۸۷۔
۸۲۔ ایضاً،ص۴۰۲۔
۸۳۔ ایضاً،ص۳۵۹۔
۸۴۔ ایضاً،ص۳۶۸۔
۸۵۔ میرزا ڈاکٹر اختیار حسین کیف نیازی: ''مفتاح المقطعات''،کراچی،ویلکم بک پورٹ،بارِ دوم،۲۰۰۹ء،ص۱۳۔
۸۶۔ ایضاً،ص۳۷۔
۸۷۔ ایضاً،ص۳۷۔
۸۸۔ ایضاً،ص۴۵۔
۸۹۔ آلِ عمران ۳:۷۔
۹۰۔ میرزا ڈاکٹر اختیار حسین کیف نیازی: ''مفتاح المقطعات''،ص۱۰۔
۹۱۔ ایضاً،ص۱۰۵۔
۹۲۔ میرزا ڈاکٹر اختیار حسین کیف نیازی: ''معارف التسمیہ والفاتحہ''،کراچی،جماعت السالکین آغائی مرتضویہ،بارِ اوّل،۱۹۹۳ء،،ص۶۔
۹۳۔ ایضاً،ص۱۰۔
۹۴۔ ایضاً،ص۱۴۔
۹۵۔ ایضاً،ص۱۵۔
۹۶۔ ایضاً،ص۸۶۔
۹۷۔ غلام احمد پرویز: ''حقیقتِ تصوّف''،لاہور،ادارہ طلوعِ اسلام،ایڈیشن اوّل،۱۹۸۱ء،ص۳۳۳۔
۹۸۔ ڈاکٹر اختیار حسین کیف نیازی: ''معارف التسمیہ والفاتحہ''،ص۱۱۔
۹۹۔ ایضاً،ص۱۳۔
۱۰۰۔ ایضاً،ص۵۹،۶۰۔
۱۰۱۔ ڈاکٹر فرید الدّین قادری: ''تفسیر سورہ الم نشرح''،کراچی،قادری پبلی کیشنز،پہلی اشاعت،۲۰۰۴ء،ص۵۔
۱۰۲۔ ایضاً،ص۷۔
۱۰۳۔ ایضاً،ص۹۔
۱۰۴۔ ایضاً،ص۴۔

۱۰۵۔ ایضاً،ص ۱۱۔
۱۰۶۔ ایضاً،ص ۱۲
۱۰۷۔ سیّد فضل الرحمٰن: ''احسن البیان''،تفسیر عمّ پارہ، کراچی، زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز،۲۰۰۵ء،ص ۱۳۔
۱۰۸۔ ایضاً،ص ۴۴۔
۱۰۹۔ ایضاً،ص ۲۰۴۔
۱۱۰۔ ایضاً،ص ۲۱۲۔
۱۱۱۔ ڈاکٹر صاحب زادہ ابوالخیر محمد زبیر: ''درسِ قرآن''،لاہور،ضیاءُ القرآن پبلی کیشنز،۲۰۰۷ء،ص ۵۔
۱۱۲۔ ایضاً،ص ۷۔
۱۱۳۔ ایضاً،ص ۸۔
۱۱۴۔ ایضاً،ص ۷۹۔
۱۱۵۔ ایضاً،ص ۷۹۔
۱۱۶۔ ایضاً،ص ۹۳۔
۱۱۷۔ ایضاً،ص ۹،۱۰۔
۱۱۸۔ ایضاً،ص ،۴۰،۶۵۔
۱۱۹۔ ایضاً،ص ۱۴،۱۵۔
۱۲۰۔ خواجہ شمس الدّین عظیمی: ''روشنی''،لاہور،عظیمیہ روحانی لائبریری،سنہ ندارد،ص ۲ تا ۶۔
۱۲۱۔ خواجہ شمس الدّین عظیمی: ''روحانی نماز''،کراچی،مکتبہ بابا تاج الدین،سنہ ندارد،۹۴۔
۱۲۲۔ ایضاً،ص ۱۱۹،۱۲۰۔
۱۲۳۔ خواجہ شمس الدّین عظیمی: ''توجیہات''لاہور،مکتبۂ عظیمیہ،سنہ ندارد،ص ۲۳۱،۲۳۲۔
۱۲۴۔ خواجہ شمس الدّین عظیمی: ''روشنی''،ص ۱۱۔
۱۲۵۔ ایضاً،ص ۱۳۔
۱۲۶۔ ایضاً،ص ۷۔
۱۲۷۔ ایضاً،ص ۱۹۔۲۰
۱۲۸۔ ایضاً،ص ۷۔
۱۲۹۔ ڈاکٹر صاحب زادہ فرید الدّین قادری: ''سورۃ الحجرات''،کراچی،قادری پبلی کیشنز،اشاعت اوّل،ص ۲۰۰۹ء،ص ۴۶۔
۱۳۰۔ المائدہ،۵:۴۲
۱۳۱۔ ڈاکٹر صاحب زادہ فرید الدّین قادری: ''سورۃ الحجرات''،ص ۷ اور ص ۴۸۔
۱۳۲۔ سیّد شاہ محراب الحق قادری: ''تفسیر سورۃ فاتحہ''لاہور،زاویہ پبلشرز،اشاعت اوّل،۲۰۱۰ء،ص ۵۔

۱۳۳؎ ایضاً، ص ۸۔

۱۳۴؎ ایضاً، ص ۹۔

۱۳۵؎ ایضاً، ص ۳۷

حواشی مفسرین قرآن:

☆(۱) شبیر احمد عثمانیؒ (وصال ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ/۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء): شبیر احمد عثمانیؒ کی ولادت ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں اتر پردیش (یو پی) کے علاقے بجنور میں ہوئی۔ (۲۶۳) جب کہ ویکی پیڈیا ویب سائٹ پر سن ولادت ۶ اکتوبر ۱۸۸۶ء تحریر ہے، جس کا ہجری سن ۱۳۰۴ھ نکلتا ہے۔ آپ کے والد کا نام مولانا فضل الرحمان تھا، انھوں نے ۷ سال کی عمر میں قرآن سیکھنا شروع کیا، ۱۹۰۷ء میں دارلعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ شیخ الہند محمود حسنؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی تصانیف میں علم الکلام، العقل ونقل، اعجاز القرآن، حجاب شرعی اور الشہاب الرجم الخطف المرتاب وغیرہ اہم ہیں۔ شیخ الہند محمود حسنؒ کے ترجمے پر آپ نے تفسیری حواشی تحریر فرمائے، جس کا فارسی ترجمہ بھی کیا گیا۔ شبیر احمد عثمانیؒ خلافت کمیٹی کے رکن تھے۔ اور جنگِ بلقان کے زمانے میں ترکوں کے لیے چندہ جمع کرنے میں ہلال احمر کے ساتھ بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ جمعیت العلماے ہند کے صفِ اوّل کے رہنماؤں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ/۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو ان کا وصال ہوگیا۔ جسدِ خاکی بھاول پور سے لاکر کراچی میں سپردِ خاک کیا گیا، قبرِ مبارک علامہ شبیر احمد عثمانی روڈ پر واقع اسلامیہ کالج کراچی میں ہے۔

☆(۲) مفتی محمد شفیعؒ آپ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ مفتی محمد شفیعؒ کا نام رشید احمد گنگوہیؒ نے رکھا تھا۔ دارلعلوم دیوبند سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۳۶ھ میں تعلیم سے فراغت کے بعد دارلعلوم دیوبند ہی میں ابتدائی جماعتوں کے مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں مفتی کا منصب حاصل ہُوا۔ ابتدا میں شیخ الہند محمود الحسنؒ سے بیعت ہوئے۔ اُن کی وفات کے بعد مولانا اشرف علی تھانویؒ سے رجوع کیا۔ اِن ہی سے خلافت عطا ہوئی۔ آپ کو شعروشاعری کا بھی ذوق تھا۔ عربی، فارسی اور اردو میں قصائد، مرثیے اور نظموں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ آپ کو مفتی اعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ ۱۹۴۹ء میں پاکستان ہجرت کر کے آگئے۔ دارلعلوم کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی جو آج بھی علوم اسلامیہ کا ایک اہم اور بڑا مرکز ہے جو کورنگی کراچی میں ہے۔ آپؒ کا شمار دیوبند کے ممتاز علمائے کرام میں ہوتا تھا۔ آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ اور مناظرے پر کئی کتابیں تصنیف کیں۔ مفتی محمد شفیعؒ کی چھوٹی بڑی کتب کی تعداد تقریباً دوسو کے قریب ہے۔ فقہ پر تقریباً ۹۵ کتب ہیں۔ جب کہ فتووں کی تعداد ۲ لاکھ بتائی جاتی ہے۔ آپ کی تفسیر ''معارف القرآن'' کے نام سے ۸ جلدوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ وصال ۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ/۶، اکتوبر ۱۹۷۶ء کو ہُوا۔

☆(۳) سید محمد یوسف سلیمانی: آپ کی ولادت وسط رجب ۱۳۰۶ھ/۱۴ مارچ ۱۹۸۹ء جمعرات کو ہندوستان راجستھان کے علاقے ٹونک میں ہوئی۔ عقیقے کے دن آپ کے نانا کبیرالاولیاؒ نے آپ کا نام محمد یوسف علی خان رکھا۔ عزیز آپ کا تخلص تھا۔ مریدین

اور معتقدین آپ کو عزیزالاولیا اور باواجی کے نام سے پکارتے، جب کہ اہل علم "محقق پاکستانی" کے نام سے یاد کرتے۔۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۰ء تک فوج میں اکاؤنٹینٹ، صوبیدار میجر اور دیگر عہدوں پر فرائض انجام دیے۔صاحب زادے افتخار علی خان صمصام جنگ کے مشیرِ سخن رہے۔۔ مسلم اسکول جے پور میں ناظم دینیات رہے۔دلی میں خلافت کمیٹی کے رکن رہے۔آپؒ سلسلہ چشتیہ میں خواجہ اللہ بخش تونسویؒ (ڈیرہ غازی خان، تونسہ شریف) سے بیعت تھے۔آپ نے مختلف اصناف سخن حمد،نعت، غزل، نظم، قصیدہ، قطعہ، رباعی، مثنوی، مرثیہ کے علاوہ ہیئت کے اعتبار سے بھی بیش تر اصناف میں شاعری کی۔بقول آپ کے فرزند آپ نے ۹ لاکھ سے زیادہ اشعار کہے۔عربی، فارسی، سنسکرت، اردو اور ہندی پر عبور حاصل تھا۔اردو کے بڑے ادیبوں سے تعلق تھا۔مولوی عبدالحق نے بھی آپ کی تحریر پر رائے دی تھی۔آپ کی تصانیف میں عالمگیری کی اصل تصویر، تصویر کے حقیق خدوخال، اخلاق عالم گیر، انسانی زندگی کا اخلاقی دستور، نوادرِ عزیز، دینِ عزیز، فقہ کے امام اعظم، اسلام، تصدیق شہید، معجز نما سیرتِ پاک ﷺ، مبشرات حق آیات اور نغمۂ عندلیب (مجموعہ نعت) وغیرہ۔آپ کا وصال وصال ۷ ذیقعد ۱۳۹۵ھ/۱۲ انومبر ۱۹۷۵ء بروز بدھ ہوا۔صابر براری نے "تاریخ رفتگان" صفحہ ۷۳ پر قطعہ وصال یہ لکھا ہے۔

"سایہ دارِ باغِ جنت ہیں عزیزالاولیاؒ" درصنعتِ تناصف

☆ (۴) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں: آپ کے والد کا نام گلاب خاںؒ اور دادا کا نام وزیر خاں تھا۔ ولادتِ باسعادت ۱۰، شوال ۱۳۳۰ھ/۲۳ ستمبر ۱۹۱۲ء بروز پیر، جبل پور، سی پی ہندوستان میں ہوئی۔جب کہ تعلیمی اسناد میں تاریخ پیدائش یکم جولائی ۱۹۱۲ھ درج ہے۔۱۵، جولائی، ۱۹۳۷ء/۱۳۵۵ھ میں بحیثیت اردو لیکچرار کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی (برار) میں پبلک سروس کمیشن کے ذریعے تقرّری ہوئی۔۱۹۴۷ء میں پی ایچ۔ڈی کی سند لی۔قیامِ پاکستان کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے۔مولوی عبدالحق نے ۱۹۵۰ء میں اردو کالج فعّال کیا تو آپؒ کو صدر شعبۂ اردو کی حیثیت میں تقرر کیا۔یہاں آپ نے چھے سال کام کیا۔سندھ یونی ورسٹی کے پہلے وائس چانسلر کی خواہش پر ۱۹۵۶ء میں پروفیسر اور صدر شعبۂ اردو کی حیثیت سے سندھ یونی ورسٹی حیدرآباد میں تقرر ہُوا، آپ ابتدا میں پیری مریدی کے قائل نہ تھے۔مگر بیماری میں ایک تعویذ کے ذریعے شفا نصیب ہوئی اور حضرت زوّار حسین سے ۹، اکتوبر ۱۹۴۹ء میں بیعت ہوئے۔جنھوں نے ۲۴، جنوری ۱۹۵۸ء کو خلافت واجازت سے سرفراز کیا۔آپؒ کی ریاضت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بیعت کرنے کے آٹھ سال بعد ہی آپ کو خلافت واجازت عطا ہوگئی۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ کی علمی وادبی خدمات کی تفصیل طویل ہے۔کچھ کتب کے نام یہ ہیں۔حسن غزنوی (حیات اور ادبی کارنامے، پی ایچ ڈی کا مقالہ)، تاریخ بہرام شاہ، چند فارسی شعرا، فارسی پر اردو کا اثر (ڈی لٹ کا مقالہ)، حالی کا ذہنی ارتقا سندھی اردو لغت، اردو سندھی لغت، علمی نقوش، تاریخِ اسلاف، قرآنی عربی، مجدد الف ثانیؒ تحقیقی جائزہ، ندائے سحر، جامع القواعد، برصغیر میں فارسی ادب (انگریزی)، اقبال اور قرآن، مطالب القرآن، ہمارا علم وادب، منتخبات، کشکولِ مصطفائی، سندھ کے نقش بندی اولیا وغیرہ ان کے علاوہ کئی مختصر رسائل بھی تحریر فرمائے۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ کے حالاتِ زندگی

اور علمی وادبی خدمات سب سے پہلے اجمالی اسلوب میں ''سراج الادب'' کے نام سے ۱۹۹۷ء میں اُن کے مرید صادق محمد وکیل احمد نے شائع کیے تھے۔ جب کہ ''ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاںؒ، حالات، علمی وادبی خدمات'' کے عنوان سے ڈاکٹر مسرور احمد زئی نے آپ پر پی ایچ۔ڈی کیا جو شائع ہو چکا ہے۔ آپ کا وصال وصال ۲۰ شعبان ۱۴۲۶ھ/۲۵ ستمبر ۲۰۰۵ء کو ہوا۔ قبر مبارک حیدر آباد جام شورو روڈ پر قائم مصطفیٰ ٹرسٹ میں ہے۔

☆(۵) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد: آپؒ کی ولادت باسعادت ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء میں دہلی بھارت میں ہوئی، والد کا نام مفتی اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہ، دہلوی تھا جو جامع مسجد فتح پور دہلی کے شاہی امام تھے۔ آپ کی نسبت والد کی طرف سے صدیقی اور والدہ کی طرف سے سید ہے۔ آپ ہندوستان سے ۱۹۴۸ء میں ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمدؒ نے فاضل فارسی کا امتحان مشرقی پنجاب یونی ورسٹی، سولن سے ۱۹۴۸ء میں پاس کیا، میٹرک (۱۹۵۱ء) فاضل اردو (۱۹۵۳ء)، انٹر میڈیٹ (۱۹۵۳ء) اور بی۔اے (۱۹۵۶ء) کی سندیں پنجاب یونی ورسٹی سے حاصل کیں، ایم۔اے (۱۹۵۸ء) اور پی ایچ۔ڈی (۱۹۷۱ء) میں سندھ یونی ورسٹی سے کیا۔ پی ایچ۔ڈی کے مقالے کا موضوع ''اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر'' ہے، جس میں آپ نے ۶۰۰ سے زائد اردو تراجم کا جائزہ لیا ہے۔ آپ کے شیوخ طریقت میں والد صاحب کے علاوہ مفتی محمد محمود شاہ الوریؒ اور پیر زین العابدین شاہ گیلانی شامل ہیں۔ اوّل الذکر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اور آخری الذکر سلسلہ عالیہ قادریہ سے ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں حکومت پاکستان نے ڈاکٹر محمد مسعود احمدؒ کو ادبی و دینی خدمات پر تمغۂ امتیاز سے نوازا۔ آپ کی شخصیت اور علمی خدمات پر ہندوستان سے اعجاز انجم لطیفی نے پی ایچ۔ڈی کا مقالہ تحریر کیا جو شائع ہو چکا ہے۔ آپ کا وصال ۲۷ اپریل ۲۰۰۸ء کو ہُوا۔ مزار مبارک ملیر کینٹ کراچی میں مرجع خلائق ہے۔

☆(۶) سید حافظ فضل الرحمان آپ کی ولادت باسعادت ۲، شوال ۱۳۶۱ھ/۱۳، اکتوبر ۱۹۴۲ء بروز پیر ہوئی، جب کہ اسناد میں تاریخ پیدائش ۱۸، محرم الحرام ۱۳۶۰ھ/۱۵ فروری ۱۹۴۱ء درج ہے۔ حضرت صوفی احمدؒ فرماتے ہیں کہ سید حافظ فضل الرحمانؒ کی ولادت خواجہ محمد سعید قریشیؒ کی دعا کی برکت سے ہوئی۔ میٹرک کا امتحان پرائیوٹ پاس کیا۔ جس میں ریاضی اور عربی میں امتیازی نمبر حاصل کیے۔ ۱۹۶۵ء میں بہاول پور پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ سے الیکٹریکل انجینیرنگ میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ ۱۹۶۶ء میں ٹیلی فون انڈسٹریز آف پاکستان میں ٹیکنکل اسسٹنٹ ہو گئے۔ والد بزرگوار کے وصال کے بعد اپنے ماموں زاد سید محمد مختار جو شاہ زوّار حسینؒ کے خلیفہ ہیں تجدید بیعت کر لی اور سلوک کی تکمیل میں مصروف ہو گئے۔ موجودہ خانقاہی نظام سے مطمئن نہیں ہیں۔ راقم نے آپ سے بالمشافہ ملاقات کی۔ علمی معاملات میں تعاون کرتے ہیں مگر خود نمائی سے دور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس قدر علمی و تحقیقی کام کرنے کے باوجود آپ کے بارے میں زیادہ معلومات تحریری طور پر دست یاب نہیں ہیں۔ حتّٰی کہ آپ کے لائق فرزند سید عزیز الرحمٰن کا بھی یہی کہنا ہے کہ ہمیں بھی اس سے زیادہ نہیں معلوم۔ شاید انھیں یہی کہنا کا حکم ہو۔

سید حافظ فضل الرحمان کا ایک بڑا کارنامہ ''احسن البیان'' فی تفسیر القرآن ہے۔ جو آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس

کے علاوہ ''معجم القرآن'' اُن اردو قارئین کے لیے جو قرآن اور قرآنی الفاظ کی تفہیم اور لفظوں کے ذریعے آیات تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ان کے لیے بہت مددگار ہے۔فرہنگِ سیرت، جس میں سیرتِ طیبہ میں آنے والے تقریباً تین ہزار الفاظ، مقامات، شہر، پہاڑوں، چشموں، قبائل وغیرہ کی تفصیلات پر مشتمل لغت ہے۔آپ کی کچھ تصنیفات وتالیفات کے نام یہ ہیں۔خطوط ہادیٔ اعظم، ہادیٔ اعظم ﷺ، مقالاتِ زواریہ، جواہر نبوی ﷺ، حجاب اور اسلام، خطبۂ حجۃ الوداع، رہبر حج، فکرِ آخرت، گل دستۂ سیرت، ۔ اِن کے علاوہ سید حافظ فضل الرحمان کی ادارت میں ششماہی السیرہ، عالمی کے تقریباً ۱۹ پرچے شائع ہو چکے ہیں۔

☆(۷) مولانا مفتی محمد محمود الوری: آپؒ کی ولادت ۵، ذی الحج ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء، شب جمعہ، الور، راجستھان، ہندوستان میں ہوئی۔والد کا نام مولانا رکن الدین الوری تھا۔اپنے والد ہی کے دستِ حق پر بیعت ہوئے۔۱۹۳۶ء میں خلافت عطا ہوئی۔الور کی جامع مسجد میں سات برس تک درسِ قرآن اور نمازِ جمعہ کا خطبہ دیا۔قیامِ پاکستان کے بعد جب حالات خراب ہوئے تو مفتی محمد محمود الوریؒ ہیر آباد محلہ حیدر آباد تشریف لے آئے۔یہاں اپنے والد کی یاد میں ایک مدرسہ ''رکن الاسلام جامعہ مجددیہ'' تعمیر کرایا اور بقیہ زندگی اسی مدرسے کی ترقی کے لیے وقف کردی۔مفتی محمد محمود الوریؒ کی تصانیف میں ''بہارِ مثنوی'' مولانا روم کی مثنوی سے منتخب حکایات کو دورِ جدید کے حالات کے مطابق پیش کیا ہے۔اس کے علاوہ کتاب الصیام، کتاب الحج، کتاب الزکوٰۃ اور مصباح السالکین فی احوال رکن الملت والدین ہیں آخری الذکر میں اپنے والد مولانا رکن الدینؒ کے حالات ہیں۔

مفتی محمد محمود الوریؒ کے خلفا میں حکیم مشتاق احمد (کراچی)، حکیم احمد حسین، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (کراچی)، پروفیسر حافظ مقصود احمد (خیر پور میرس)، مولانا احمد خان'' (لطیف آباد، حیدر آباد)، صاحب زادہ ابوالخیر محمد زبیر (فرزند)، مفتی محمد ظفر وغیرہ شامل ہیں۔مفتی محمد محمود الوریؒ کا وصال ۱۲ شعبان ۱۴۰۷ھ/۱۲، اپریل ۱۹۸۷ء ضلع قصور (پنجاب) میں پریم نگر اسٹیشن کے قریب گھینا کے مقام پر ہوا۔آپ کے فرزند محمد زبیر نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔آپ کا مزار مبارک راجپوتانہ ہسپتال کے قریب جامشورو روڈ حیدر آباد پر واقع ہے۔

☆(۸) عبدالمصطفٰی الازہری: آپ بریلی، یوپی انڈیا میں ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد حکیم امجد علی اعظمی (مصنف فتاوا امجدیہ اور بہارِ شریعت) ہیں۔نام ''عبدالمصطفٰی'' امام احمد رضاؒ نے تجویز کیا تھا۔علم حاصل کرنے کے لیے الازہر یونی ورسٹی تشریف لے گئے، جہاں تین سال زیرِ تعلیم رہے اور وہاں سے ''شہادت الاہلیہ'' اور ''شہادت العالیہ'' کی اسناد حاصل کیں۔قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں پاکستان تشریف لے آئے اور جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔عبدالمصطفٰی الازہریؒ نے امام احمد رضاؒ سے شرفِ بیعت حاصل کیا، آپ کو علامہ مصطفٰی رضا خان بریلوی اور والد مفتی امجد علی اعظمی کی طرف سے سلسلہ قادریہ میں خلافت واجازت حاصل تھی۔جمعیت العلمائے پاکستان صوبہ سندھ کے صدر رہے اور ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں کراچی سے ممبر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔۱۹۷۳ء کے آئین میں جب حکومتی رکن مولانا کوثر نیازی نے کہا کہ مسلمان کی متفقہ تعریف طے ہونا مشکل ہے تو عبدالمصطفٰی الازہری نے مسلمان کی ایک تعریف پیش کی، جس سے تمام

مکاتبِ فکر متفق ہوئے۔ ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی الیکشن میں بھی قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور مجلسِ شورا کے رکن بنے۔ لیکن اپنی رہائش جو ایک عام کوارٹر پر مشتمل تھی، اسی میں رہائش پذیر رہے، سرکاری عہدوں نے آپ کے بود و باش میں تبدیلی پیدا نہیں کی۔ آپ کا وصال ۱۶، ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ/۱۸، اکتوبر ۱۹۸۹ء کو سانگلہ ہل (پنجاب) میں ہُوا، جہاں آپ علاج کی غرض سے گئے تھے۔ آپ کا جسدِ مبارک کراچی لایا گیا اور آخری آرام گاہ دارالعلوم امجدیہ عالم گیر روڈ کراچی میں ہے۔

☆ (۹) ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیفؔ نیازی: آپ کی ولادت بھارت کے مردم خیز علاقے جبل پور میں یکم جولائی ۱۹۲۲ء کو ہوئی، والد کا نام ڈاکٹر شاہ میرزا مرتضیٰ حسینؒ ہے۔ آپ کی پرورش روحانی اور علمی ماحول میں ہوئی۔ جس کے اثرات ان کی شخصیت پر گہرے مرتب ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم سے لے کر بی۔ اے تک کی تعلیم جبل پور ہی میں حاصل کی۔ بی۔ اے کے بعد ڈاکٹری کرنے کا خیال دل میں آیا تو سائنسی تعلیم حاصل کر کے میڈیکل کالج اندور میں داخلہ لیا مگر تقسیمِ پاکستان کے سبب، وہاں سے ہجرت کرنی پڑی۔ ڈاکٹری (MBBS) کی تعلیم ڈاؤ میڈیکل کالج میں مکمل کی۔ آپ نے والد صاحب سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور صوفیانہ تعلیم و تربیت بھی ان کی زیرِ نگرانی ہوئی۔ مرشدِ کریم نے خلافت و سجادہ نشینی عطا کی۔ سلوک کی منازل بریلی شریف بھات میں حضرت شاہ محمد تقیؒ نے طے کرائی جو خانقاہ نیازیہ بریلی کے سوم سجادہ نشین تھے۔ انھوں نے بھی خلافت سے نوازا۔ خانقاہی تعلیمات کے فروغ کے لیے آپ کی تصانیف اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کی خانقاہ کی ایک ویب سائٹ www.agharang.org بھی جس میں تصوّف کے مضامین اور ایک انگریزی اردو زبان میں اخبار Newletter بھی دستیاب ہے۔ آپ کے فرزند حسن میرزا کینڈا میں سلسلے کی خدمات انجام دے رہے ہیں جو آپ کے جانشین بھی ہیں۔ ان کی تربیت کی جھلک اُن خطوط سے لگائی جاسکتی ہے، جو ڈاکٹر رزا اختیار حسین کیف نیازی نے ملک سے دورہ کر انھیں تحریر کیے تھے، یہ خطوط ان کی کتاب ''معرفت نامے'' میں موجود ہیں۔

ڈاکٹر میرزا اختیار حسین کیف نیازی کی علمیت اور شخصیت کا اندازہ آپ کی تصانیف کے مطالعہ اور بالخصوص مکاتیب اور مضامین سے لگایا جاسکتا ہے، آپ نے یوں تو تصوّف کے بہت سے نکات پر تحریری اظہار خیال کیا ہے، مگر وحدت الوجود پر تخصیص کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ آپ کی تصانیف میں سورہ فاتحہ کی وحدت الوجود کی روشنی میں تفسیر)، مفتاح المقطعات (حروف مقطعات کی مدلل عارفانہ تفسیر)، مزارات و بدعات (قرآن و سنت کی روشنی میں مزارات کا جواز)، ارکانِ خمسہ کی عارفانہ تشریح، کیفیات (شعری مجموعہ)، مضامین کیف، معرفت نامے (مکاتیب)، شاہ نیاز کا فارسی کلام مع ترجمہ و تشریح، توحید۔ وحدت الوجود کے تناظر میں اور شاعری میں صوفیانہ اصطلاحات شامل ہیں۔

☆ (۱۰) ڈاکٹر صاحب زادہ فریدالدین قادری: آپ کی ولادت کراچی میں ۱۹۵۸ء کو ہوئی۔ والد محمد علم الدین قادریؒ علمی ایک عالمِ دین، امام و خطیب اور شاعر تھے، ابتدائی دینی تعلیم والد ہی سے حاصل کی۔ درسِ نظامیہ کراچی کے معروف دینی ادارے دارالعلوم امجدیہ سے کیا۔ اس کے بعد کراچی یونی ورسٹی سے ''سندھ کے اکابرینِ قادریہ کی علمی و دینی خدمات'' تحقیقی مقالہ

تحریر کرکے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی، یہ مقالہ شایع ہو چکا ہے۔آپ کے گھرانے کی علمی و دینی خدمات قابلِ رشک ہیں۔ڈاکٹر فریدالدین قادری نے کئی کتب تحریر کی ہیں،ان میں حقوقِ والدین، تفسیر سورۃ الحجرات، تفسیر الم نشرح، تعویذات النبی ﷺ، اولیااللہ کے خواب، حدیقہ قادری، مریدی نامہ، قصیدۃ النعمان، چالیس احادیث، مدحت رسول ﷺ (حمد، نعت، منقبت کا مجموعہ)، ان کے علاوہ آپ نے اپنے بزرگوں کے ملفوظات۔ملفوظاتِ غلام رسول شاہ قادری، ارشاداتِ علمی (ملفوظات علم الدین قادری) کے نام سے جمع کیے۔اپنی ادارت میں ایک سہ ماہی رسالہ محراب ومنبر کے نام سے جاری کیا۔جو کئی سال تک شائع ہوتا رہا۔

☆(۱۱)صاحب زادہ ڈاکٹر مفتی ابوالخیر محمد زبیر: آپ کی ولادت باسعادت ۱۸، رجب ۱۳۷۳ھ/۲۵اپریل ۱۹۵۴ء بروز بدھ حیدرآباد سندھ میں ہوئی۔والد مفتی محمود الوریؒ اور دادا پاک و ہند کی روحانی شخصیت خواجہ شاہ رکن الدین الوریؒ تھے۔نانا مفتی اعظم ہند شاہ مفتی محمد مظہر اللہؒ جو شاہی مسجد فتح پوری، دہلی کے شاہی امام تھے۔ابتدائی عربی اور درسِ نظامی کی کچھ کتب والد سے پڑھیں۔(۱)۱۹۶۷ء میں مولوی عربی (۲)۱۹۶۸ء میں میٹرک (۳)۱۹۶۹ء میں مولوی عالم (۴)۱۹۶۹ء ہی میں دورۂ حدیث کے بعد ''الشہادۃ العالیہ فی العلوم العربیہ والاسلامیہ'' (۵)۱۹۷۰ء میں مولوی فاضل (۶)۱۹۷۱ء میں سندِ تجوید وقرأت (۷) ۱۹۷۱ء میں سندھ یونی ورسٹی حیدرآباد سے بی۔اے (۸)۱۹۷۷ء میں ایم۔اے اسلامک کلچر، سندھ یونی ورسٹی جام شورو (۹) ۱۹۹۴ء میں ''سندھ کے صوفیائے نقش بند'' کے موضوع پر پی ایچ۔ڈی۔کا تحقیقی مقالہ تحریر کیا اور سند حاصل کی۔یہ تحقیقی مقالہ شایع ہو چکا ہے۔ڈاکٹر مفتی ابوالخیر محمد زبیر کے نانا مفتی اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہؒ ۱۹۶۱ء میں حیدرآباد تشریف لائے تو بیعت فرما کر خلافت واجازت سے نوازا۔اس وقت آپ کی عمر چھے سات سال تھی۔باطنی وروحانی مدارج والد کی زیرِ نگرانی طے کیے۔ستمبر ۱۹۷۲ء کو والد نے تینوں سلاسل نقشبندیہ، چشتیہ اور قادریہ میں خلافت اور اجازت عطا فرمائی۔تحریر وتقریر دونوں کے شہ سوار ہیں۔آپ کی تصانیف میں (۱)بزمِ جاناں (۲)حق نبی ﷺ (۳)اربعین (۴)نبی کریم کی دعائیں (۵)حل پرچہ جات مولوی عربی (۶)تجلیات ضیائے معصوم (۷)سندھ کے صوفیائے نقش بند (دو جلدیں) (۸)درسِ قرآن (۹)درسِ حدیث (۱۰) جدید طبی مسائل کا شرعی حل وغیرہ شامل ہیں۔کئی مقالات بھی مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔سیاست میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔جمعیت علمائے پاکستان کے مرکزی صدر بھی رہے ہیں،ان کے علاوہ اوراہم سیاسی ذمے داریاں بھی نبھاتے رہیں ہیں،مذہبی سیاسی قیادت میں آپ جیسی بے خوفی بہت کم افراد کو نصیب ہے،آپ اپنا نقطۂ نظر بانگ دہل بیان کرتے ہیں۔

☆(۱۲)خواجہ شمس الدین عظیمی: آپ کی ولادت باسعادت ۱۷،اکتوبر ۱۹۲۷ء/ربیع الاوّل ۱۳۴۶ھ قصبہ انبیٹھ پیرزادگان ضلع سہارن پور یوپی میں ہوئی، والد کا نام حاجی انیس احمد انصاری اور والدہ ماجدہ کا نام امت الرحمٰن ہے۔حضرت خالد ابوایوب انصاریؓ کی نسبت سے نام کے ساتھ انصاری بھی لکھا گیا۔قیام پاکستان کے بعد ہجرت کرکے پاکستان تشریف لے آئے۔آپ کی قلندر بابا اولیاؒ سے ڈان اخبار کے دفتر میں پہلی ملاقات ہوئی۔اس کے بعد یہ تعلق بڑھتا ہی چلا گیا، پھر آپ قلندر بابا اولیاؒ کی روحانی شاگردی میں آگئے۔قلندر بابا اولیاؒ نے اِن کی خصوصی روحانی تربیت فرمائی اور خواجہ کا لقب عطا فرمایا۔قلندر بابا اولیاؒ کے وصال

کے بعد خواجہ شمس الدین عظیمی کو سلسلہ عظیمیہ کے سربراہ کا رتبہ حاصل ہُوا۔ آپ نے اپنی ساری زندگی سلسلے کی تعلیمات کے فروغ اور خدمتِ خلق کے لیے وقف کر دی، ان کی جدوجہد سے آج سلسلہ عظیمیہ پاکستان کے مختلف شہروں کے علاوہ دنیا کے کئی ممالک میں لوگوں کو روحانیت سے روشناس کرا رہا ہے۔ خواجہ شمس الدین عظیمی نے سلسلہ کو سائنسی بنیادوں اور جدید خطوط پر مرتب کیا، روز بروز اس میں ارتقائی عمل جاری ہے۔ سلسلے کے تحت کراچی اور ملک کے مختلف شہروں میں مراقبہ ہالز قائم کیے گئے، مرکزی مراقبہ ہال کراچی میں ہے۔ اس کے زیرِ اہتمام دیگر مراقبہ ہال ہیں۔ مراقبہ ہال کے علاوہ چار مرکزی شعبہ جات ہیں۔ (۱) شعبۂ نظم (۲) قلندر شعور اکیڈمی (۳) شعبۂ خدمت خلق (۴) شعبہ نشر و اشاعت۔ اسی طرز پر مختلف شہروں میں مراقبہ ہال کے زیرِ نگرانی انتظامی معاملات، شعبہ خدمتِ خلق، شعبۂ نشر و اشاعت اور تعلیم و تربیت کے شعبے قائم ہیں۔ خدمتِ خلق اور علم کے فروغ کے لیے مختلف شہروں میں خواتین و حضرات کے لیے علاحدہ علاحدہ دارالمطالعہ (لائبریریز)، پاکستان میں ۸۰ سے زاید لائبریریز لوگوں میں روحانی علوم کو فروغ دے رہی ہیں۔ قلندر شعور اکیڈمی (ارکان کی روحانی اور اخلاقی تربیت کے لیے)، عظیمیہ پبلک اسکول (کراچی)، روحانی فون سروس اور عظیمیہ فری ڈسپنسری قائم کی گئی ہیں۔ آپ کی تصانیف میں رنگ و روشنی سے علاج، روحانی علاج، احسان و تصوف، مراقبہ، شرح لوح و قلم، روحانی نماز، قلندر شعور، اللہ کے محبوب ﷺ، محمد رسول اللہ (تین جلدیں)، صدائے جرس، تجلیات، خطباتِ ملتان وغیرہ شامل ہیں۔

☆ (۱۳) سید شاہ تراب الحق قادری: آپ کی ولادت ۱۵، ستمبر ۱۹۴۴ء کو حیدر آباد دکن انڈیا میں ہوئی۔ جب پاکستان وجود میں آیا تو آپ کا خاندان ہجرت کر کے ۱۹۵۱ء میں پاکستان تشریف لے آیا۔ والد کا نام سید شاہ حسین قادریؒ ہے، آپ سید گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، جب کہ شاہ تراب الحق قادری کی والدہ کا سلسلۂ نسب فاروقی ہے۔ دوران تعلیم شاہ تراب الحق قادری کو کشتی اور پہلوانی کا بھی شوق رہا، ۱۹۶۱ء میں کل کراچی کشتی کے مقابلوں میں آپ اوّل آ کر مسٹر کراچی قرار پائے۔ ۱۹۶۲ء میں اعلا حضرت امام احمد رضاؒ کے چھوٹے فرزند مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفٰی رضا خاں بریلویؒ سے بیعت ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں انھوں نے بریلی ہندوستان کا سفر کیا، اور اپنے مرشد کی رہائش گاہ پر تیرہ روز قیام کیا۔ اُنھیں مصطفٰی رضا خاںؒ سے خلافت و اجازت عطا ہوئی۔ شیخ المشائخ مولانا فضل الرحمان مدنی نے انھیں تفسیر و حدیث اور سلوک کی سند عطا فرمائی۔ شاہ تراب الحق قادری نے مذہبی، سیاسی اور سماجی میدان میں خدمات انجام دی ہیں۔ جماعت اہلِ سنّت کے مرکزی امیر اور دارالعلوم امجدیہ کے ناظم بھی ہیں۔ شریعت و طریقت کے فروغ اور رشد و ہدایت کا سلسلہ رضویہ میمن مسجد مصلح الدین گارڈن کراچی سے جاری کیا ہُوا ہے۔ آپ اعلا پائے کے عالم اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کتابوں میں ضیا الحدیث، جمالِ مصطفٰی ﷺ، تصوف و طریقت، دعوت و تنظیم، فلاحِ دارین، خواتین اور دینی مسائل، کتاب الصلوٰۃ، مسنون دعائیں، تفسیرِ سورۂ فاتحہ، اسلامی عقائد، حضور ﷺ کی بچوں سے محبت، ثنائے سرکار، مزاراتِ اولیا اور توسل، امام اعظمؒ، فضائلِ صحابہؓ اور اہلِ بیتؓ، تحریکِ پاکستان میں علمائے اہلِ سنّت کا کردار، رسولِ خدا ﷺ کی نماز اور حج کا مسنون طریقہ شامل ہیں۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ احمد عثمانی، شبیر: فروری ۲۰۰۷ء، ''تفسیرِ عثمانی''، اشاعتِ ثانی، دارالاشاعت، کراچی۔

۲۔ اصفہانی، راغب، امام: ۱۹۸۷ء، مترجم محمد عبدہ فیروز پوری، ''مفرداتُ القرآن''، جلد دوم، اسلامی اکادمی، لاہور۔

۳۔ الازہری، عبدالمصطفیٰ: سن ندارد، ''تفسیر ازہری''، دارالعلوم امجدیہ، کراچی۔

۴۔ الوری، محمد محمود، شاہ، مفتی: ۲۰۰۸ء، ''تفسیرِ محمودی''، پارہ عمّ، رکن الاسلام پبلی کیشنز، حیدرآباد۔

۵۔ بلیاوی، عبدالحفیظ، مولانا: ۱۹۸۸ء، ''مصباح اللغات''، اسلامی اکادمی، لاہور۔

۶۔ پرویز، غلام احمد: ۱۹۸۱ء، ''حقیقتِ تصوّف''، ایڈیشن اوّل، ادارۂ طلوعِ اسلام، لاہور۔

۷۔ چشتی، یوسف علی، سید: ۱۹۸۷ء، ''معبشراتِ حق آیات''، طبع دوم، شعبہ نشرواشاعت دارالعلوم عزیزیہ سلیمانیہ، کراچی۔

۸۔ حریری، غلام احمد: ۱۹۶۶ء، ''تاریخِ تفسیر و مفسرین''، بار ششم، ملک سنز پبلشرز، فیصل آباد۔

۹۔ خاں، غلام مصطفیٰ، ڈاکٹر: ۱۹۹۸ء، ''ہمارا علم و ادب''، المصطفیٰ علمی مرکز، حیدرآباد۔

۱۰۔ خاں، غلام مصطفیٰ، ڈاکٹر: ۲۰۱۱ء، ''مطالب القرآن''، زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی۔

۱۱۔ راشدی، شاہ، محمد زین العابدین: ۲۰۰۶ء، ''انوارِ علمائے اہلِ سنت''، باراوّل، لاہور، زاویہ پبلشرز، لاہور۔

۱۲۔ زئی، مسرور احمد، ڈاکٹر: ۲۰۰۶ء، ''ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، حالات، علمی و ادبی خدمات''، طبع اوّل، ادارۂ انوارِ ادب، حیدرآباد۔

۱۳۔ عظیمی، شمس الدین، خواجہ: سن ندارد، ''توجیہات''، مکتبۂ عظیمیہ، لاہور۔

۱۴۔ عظیمی، شمس الدین، خواجہ: سن ندارد، ''روحانی نماز''، مکتبۂ باباتاج الدین، کراچی۔

۱۵۔ عظیمی، شمس الدین، خواجہ: سن ندارد، ''روشنی''، عظیمیہ روحانی لائبریری، کراچی۔

۱۶۔ عبدالمجید: ۱۹۸۹ء، ''جامع اللغات''، طبع اوّل، اردو سائنس بورڈ، لاہور۔

۱۷۔ فضل الرحمٰن، سیّد: ۲۰۰۸ء، ''معجم القرآن''، طبع سوم، زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی۔

۱۸۔ فضل الرحمٰن، سیّد: ۲۰۰۵ء، ''احسن البیان''، تفسیر عمّ پارہ، زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی۔

۱۹۔ قادری، فریدالدّین، صاحب زادہ، ڈاکٹر: ۲۰۰۴ء، ''تفسیر سورہ الم نشرح''، پہلی اشاعت، قادری پبلی کیشنز، پہلی اشاعت، کراچی۔

۲۰۔ قادری، فریدالدّین، صاحب زادہ، ڈاکٹر: ۲۰۰۹ء، ''سورۃ الحجرات''، اشاعت اوّل، قادری پبلی کیشنز، کراچی۔

۲۱۔ قادری، تُراب الحق، شاہ، سید: ۲۰۱۰ء، ''تفسیر سورۃ فاتحہ''، اشاعتِ اوّل، زاویہ پبلشرز، لاہور۔

۲۲۔ محمد شفیع، مفتی: ۱۹۸۵ء، ''معارف القرآن''، جلد اوّل، طبع جدید، ادارۃُ المعارف، کراچی۔

۲۳۔ محمد شفیع، مفتی: ۱۹۸۵ء، ''معارف القرآن''، جلد پنجم، طبع جدید، ادارۃُ المعارف، کراچی۔

۲۴۔ محمد شفیع، مفتی: ۱۹۸۵ء، ''معارف القرآن''، جلد ہفتم، طبع جدید، ادارۃُ المعارف، کراچی۔

۲۵۔ محمد شفیع، مفتی: ۱۹۸۵ء، ''معارف القرآن''، جلد ہشتم، طبع جدید، ادارۃُ المعارف، کراچی۔

۲۶۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، پروفیسر: ۱۹۸۶ء، ''آخری پیغام''، اشاعت اوّل، سرہندی پبلی کیشنز، کراچی۔

۲۷۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، پروفیسر: ۲۰۰۴ء، ''آخری پیغام''، اشاعت دوم، ادارہ مسعودیہ، کراچی۔

۲۸۔ محمد زبیر، ابوالخیر، ڈاکٹر: ۲۰۰۷ء، ''درسِ قرآن''، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔

۲۹۔ مراد، خرم: ۲۰۰۷ء، ''احسان کا صحیح اصلاحی تصور''، طبع اوّل، منشورات لاہور، منصورہ۔

۳۰۔ نظامی، خلیق احمد: سن ندارد، ''تاریخ مشائخ چشت''، مشتاق بک کارنر، لاہور۔

۳۱۔ نقوی، جمیل: ۱۹۹۲ء، ''اردو تفاسیر (کتابیات)''، طبع اوّل، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۳۲۔ نیازی، کیف، اختیار حسین، میرزا، ڈاکٹر: ۱۹۹۳ء، ''معارف التسمیہ والفاتحہ''، باراوّل، جماعت السالکین آغائی مرتضویہ، کراچی۔

۳۳۔ نیازی، کیف، اختیار حسین، میرزا، ڈاکٹر: ۲۰۰۹ء، ''مفتاح المقطعات''، باردوم، ویلکم بک پورٹ، کراچی۔